

برآة عثمان رضی اللہ عنہ



مؤلفہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب اعلا السنن



ناشر

سینری منڈی

حضرو، ضلع انک

مکتبہ صدیقیہ



عقیدہ لائبریری

www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے۔

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com

www.sadaislam.com

www.zekr.tv

www.kalemeh.tv

www.ahlehaq.org/hq

www.islamhouse.com

www.eeqaz.com

www.tauheed-sunnat.com

www.islamic-forum.net

www.khatm-e-nubuwwat.com

www.kitabosunnat.com

www.muhammadilibrary.com

www.islamqa.info/ur

www.quran-o-sunnah.com

www.deeneislam.com

www.nadwatululama.org

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۱	مطالبہ قصاص کا حق	۳	غریب شہر سخن ہائے گفتنی وارد
۶۴	حضرت عمار بن یاسر کی شہادت	۱۳	برادۃ عثمان ذی النورین رضی
۶۹	صحابی کی نیت پر حملہ	۱۶	مقدمہ
۷۲	کھلی عصبیت	۱۸	حضرت عثمان رضی کی شان
۷۷	خلاصہ و تنبیہ	۲۲	حضرت عثمان رضی کی نظر میں
۸۰	خاتمہ	۳۵	حضرت معاویہ رضی کی گورنری
۸۲	تمتہ برادۃ عثمان رضی	۳۷	خمیس کا قصہ
۹۰	شان معاویہ رضی	۴۲	مروان کی شخصیت
۱۰۰	فتوحات عثمانی	۴۵	ولجسپ تضاد

نام کتاب ————— برادۃ عثمان رضی
مصنف ————— مولانا ظفر احمد عثمانی رح
مطبع ————— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت ————— ۶/۵۰ روپے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
عَمَلًا وَنُصِيحَةً عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

غریب شہر سخن ہائے گفتمنی دارو!

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم، ہمہ رآفتاب گویم

— نبی صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حرف بگرف
پورا ہو رہا ہے کہ —

”آخر زمانہ میں اُمت پر آفات و فتن لگیوں تا ناسا بندہ جائے گا،
جیسے کالی رات میں وقت گزرنے پر ہلکے اندھیرے پر گہرے
اندھیروں کی تہیں چڑھتی جاتی ہیں۔“ کہ امن کا سانس لینا
مشکل ہو جائے گا۔

آج اسلام پوزی دنیا میں تخت و تاج اور دستور و قانون کے منصب
سے سزاوار ہے۔ اور اہل اسلام فرنگی اور روسی دو اصولی دھڑوں
کے ضمن میں انکارِ خدا و رسول، انکارِ کتاب و سنت، انکارِ آزادانہ و
اصحابِ رسول کے مختلف ناموں، چہروں اور روپوں میں ظاہر ہوئیے
ہر اندرونی و بیرونی باخبراف و بناوۃ کا سپرد ہیں بن کر رہ گئے ہیں؛

توحید و رسالت اور کتاب و سنت پر یقین۔ ازدواج و اصحاب رسول کے بیان کردہ اور عملاً برپا کئے ہوئے دین ہی کا دو ٹوٹا نام ہے۔ صحابہ ہی لفظِ اُمت کا پہلا اور حقیقی مصداق و مظہر ہیں۔ اور رضوان و جنت کی تمام یشارات کے اولین اور واقعی مستحق یہی حضرات مقدمہ نبوت کی مسئل اور معرکہ طاعت و طاعت کے سب سے پہلے اور سچے گواہ ہیں۔ ان کی تصدیق سے ہی قرآن و حدیث اور خدا و رسول کی تصدیق ہے۔ اور۔۔۔ مَعَاذَ اللّٰہِ۔۔۔ ان کی تکذیب سے ہی سب کی تکذیب۔ انہی حضرات کے ایمان و حقانیت کا اقرار بہ حکیم خدا و رسول اُمت کے لئے مایاِ اسلام و ایمان ہے اور ذریعہ ہدایت و نجات بھی۔ اور یہی حضرات باوجود غیر معصوم و غیر نبی ہونے کے بہ نبرہ ان:

لَا تَتَّخِذُوا هُمْ مِنْ
بَعْدِي غَرَضًا۔ | نشانہ تنقید نہ بنا لینا۔ |
میرے ساتھیوں کو میرے بعد

ہر قسم کی تنقید و تردید اور تغلیط و تفتیس سے ہمیشہ کے لئے بالاتر ہیں اور ان کا بدگو و بدخواہ دین و دنیا میں ہمیشہ کے لئے ذلیل و سرود ہو کر رہے گا۔ جیسے جڑ سے لے کر تنے، شاخوں، کونپوں اور پھل پھول کے بنا کسی درخت کا اور سر سے لیکر پیر تک تمام سالم اعضاء و جوارح کے ساتھ متحرک پیکرِ خاکی کے سوئی کسی زندہ انسان کا تصور غلط اور غیر ممکن ہے۔ اسی طرح توحید و رسالت سے لے کر موت و حیوٰۃ شافی، غمی اور بومیہ معمولات تک میں شرعی رہنمائی کے لئے نابینا بنی کی

حیثیت رکھنے والے حضرات ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے سوا
 دین اسلام کے صحیح و مکمل ڈھانچے اور نمونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا
 نتیجہً امامِ اولؑ و بلا فضل سیدنا۔ أَبُو نَجْمَةَ۔ سے لے کر
 جناب۔۔۔ وَحِشِي۔ بن حَرَابِ۔ تک جملہ صحابہ کرام
 قابلِ صدا احترام و تکریم اور بعد از نبی سب سے زیادہ واجب الطاعت
 ہیں۔۔۔ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ !

مُدَّة سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ہر دو چار سال بعد ایک نیا لیڈر
 ایک نئی جماعت لے کر پیغمبرانہ دعادی کے ساتھ نمودار ہوتا ہے اور
 قوم کو صرف اپنی ہی دکان میں آپ حیوٰۃ کا سرخ دیتا ہے لیکن چند
 ہی دنوں میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے اور ڈھاک کے تین پات
 اس کی ساری تقریر و تحریر کا خلاصہ اصولاً اور صراحتاً یا ضمناً اور اشارتاً
 تحریف و انکار کتاب و سنت نیز حقیقی اہل بیت رسول یعنی ازواج
 مظہرات اور اصحابِ رسول کے انکار و توہین کی صورت میں ظاہر ہو جاتا
 ہے اور خوشناما مہلک کام کے دھوکے میں آئی ہوئی بد قسمتہ قوم پھر
 ایک عرصہ کے لئے آزمائش کے چکر میں گھنٹی اور حیرانی و پشیمانی کے
 سراب میں کھو جاتی ہے۔

۴۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب "سید ابوالاعلیٰ مودودی" صاحب
 کو برسوں پہلے علماء حق نے انکی تحریر کے اعتقادی اور فقہی اغلاط اور
 ان کی تحریک کے دینی و اجتماعی نقصانات اور خامیوں پر ٹوکا تھا جسے

انہوں نے اُن کی پوری جماعت نے بلکہ بہت سے بے خبر فریب خوردہ لوگوں نے بھی سخت برا مانا لیکن جلد ہی حقیقت کھل گئی اور قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ کا جادو سر پہ چڑھ کر بولنے لگا۔ اور پھر اپنی بیگانوں حتیٰ کہ خود انہی کے جسد و معتمد علیہ را کین اور دست و بازو قسم کے اکابر نے بھی اپنے جماعتی مسلک سے توبہ کی اور یوں اہل حق کی تائید کے لئے غیبی تدبیر برپا کی۔ مگر ربح حق ہو کر بھی مطعون ہوتے رہنا علماء کے لئے مقدر ہے سو وہ ہو کے رہا۔ قرآن حدیث اور فقہ و عقائد پر تفسیر، تفسیر، تعہیم و تعبیر اور تاویل و تجدید کے نام پر بیسیوں کی کرم فرمائی کے بعد اب امیر موصوف نے آخری عمر میں یارانِ رسول کے ایمان و عمل کو بھی خود تراشیدہ عقل و منطق کی ترازو میں باقاعدہ تولنا شروع کیا ہے۔ گو اس مہم کا آغاز بھی کئی برس پہلے سے ہو چکا ہے تاکہ زندگی بھر کی نیکیوں کی کسر پوری ہو سکے حالانکہ اس وطیرہ میں سراسر آخرت کا گھاٹا ہے۔ امام الشہداء و المظلومین خلیفہ سوم سیدنا عثمانؓ۔ مدثر اسلام سیدنا۔ عمرو بن العاص اور امام عادل دبر حق خلیفہ پنجم سیدنا۔ معاویہ سیدنا۔ بن۔ ابی سفیان۔ علی نبینا الصلوٰۃ والسلام وعلیہم السلام والرضوان کو انہوں نے ایک تازہ اخباری و کتابی مضمون۔ "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔" میں خصوصیت کے ساتھ حضرت حضرت کہ کہ خوب خوب کو سا ہے کیونکہ اتفاق سے سبائی تحریک میں بھی حضرت سیدنا

مَغِيرَةَ - بن - شَعْبَةَ - رضی اللہ عنہ سمیت یہی تین بزرگ
 سرفہرست نشاندہ اور زود پر ہیں۔ مزید سہولت یہ کہ یہود و مجوس کی مشترکہ
 سازش کے زیر اثر اسلامی لٹریچر میں صدیوں پہلے کی چھائی ہوئی
 غلط روایات کی شیطانی شہرہ اور سبائیوں کے مرحلہ وار تسلط کو انہوں
 نے بغور سمجھا ہے پھر اپنی گہری منصوبہ بندی کے تحت نہ جانے کس
 مقصد کی تکمیل کے لئے بڑے سکون و مطمئنانہ خاموشی نیز ٹری ٹرا سرائی
 با معنی، مودر رس اور نتیجہ خیز تدبیر کے ساتھ اپنی تقریر و تحریر اور جماعتی
 پالیسی کو غالیوں کے حضور ہدیۃ تلبیش کیا ہے یعنی رسماً سنی کہلا کر بھی
 اُمت کے موادِ اعظم کو بُری طرح مطمون و مجروح کر ڈالا ہے اور الحاد کی
 تائید کے لئے الہام کو استمال کرنے کی غیر صالح کوشش کی ہے حالانکہ
 وہ بڑے ذہین فطین معلوماً شخص ہیں اور حدیث

جس شخص نے کسی غیر قوم کو کسی بھی ذریعہ (دنیوی و دینی) بخشی وہ اہلکے (ارہ) اسی قوم میں سے شمار کیا جائے گا۔ ۱	هٰنَ كَثْرَ سَوَادِ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ !
--	--

ان سے مخفی نہ ہوگی کہ اس کردار کا انسان عند اللہ و عند الناس غیر صالح
 اور غیر مُصلح ہی شمار ہوگا۔ داعی اسلام و قائد مسلمان ہرگز نہ کہلا سکے گا۔
 ۵۔ یہ مضمون چھپنے لگا تو ملک بھر میں لے دے شروع ہو گئی۔ اسی سلسلے میں
 ہمارے کتابچے کے مصنف حضرت مولانا - "ظَهَرَ أَحْمَدُ عَتَمَانِي -"
 مدظلہ نے عین وقت پر فرض پہچانا اور عذر کے باوجود دفاعِ حق کا حق

ادا کر دیا۔ ہفت روزہ — ”شہاب“ — لاہور۔ میں آپ کا جوابی
مضمون بالاقساط شائع ہونے لگا تو ہر طرف سے تعریف و تحسین مہنے
لگی اور افسردہ ڈپریشن خاطر ملت نے دعا بخیر سے حضرت کو یاد کیا۔
لیکن افسوس ہے کہ مدیر شہاب نے بھی بیک وقت اہل حق سے تعلق
اور مثبت عقیدے اور افض سے محبت و تعاون کے معجون مرکب ، اپنے
ناقابل فہم معمول و مسلک کا مظاہرہ کیا چنانچہ موجودہ مذہبی و سیاسی
موسم کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس جوابی مضمون کے جاندار حصہ کو اپنی
مخصوص مصلحت کے تحت غلط نتائج کے حامل تحریریں جوڑ لگا کر اور
بسیوں سطور کو حذف و ترمیم کے خمداد پر چڑھا کے قطعی بے ربط اور بے اثر
بنا کر رکھ دیا۔

۶۔ ”مجلس خدام صحابہ“ کے خدام اس صورت حال کا بہ غور جائزہ لے رہے
تھے۔ انھوں نے صاحب کتاب بزرگ سے براہ راست رجوع کیا۔ اور
کامل مضمون کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی خواہش نیز اس کا نام رکھنے
اور اسکی اشاعت کیلئے باقاعدہ اجازت دینے کی فرمائش بھی کر دی جسے حضرت
مصنف علامہ نے بغور قبول فرما کر نہ صرف تحریریں اجازت دی اور خود
ہی نام رکھا بلکہ مضمون کا اصل مسودہ ارسال فرما دیا اور ”شہاب“ کے جن
پرچوں میں مضمون چھپا تھا ان سے مقابلہ کر کے محذوف اور غلط ملط کردہ
مضمون کو اس کی حقیقی صورت میں اسکا نئی تصحیح کے ساتھ شائع کرنے کی ہدایت بھی
فرمادی جو پھر اس وقت تکمیل و تصحیح کے بعد مجسم ہو کر قارئین کے سامنے موجود ہے

۷۔ حضرت مصنف برصغیر ہندو پاک کی ایک معروف اور مسلمہ علمی شخصیت ہیں خصوصاً حدیث و فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے حضرت حکیم الامتہ تعالیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت قریبی رشتہ مندری کا تعلق اور علمی و عرفانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تحریر انتہائی جامع متین اور سلیس و عام فہم ہوتی ہے یہ کتابچہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ "مٹا خیرات و اختلافاً صحابہ" جیسے خطرناک موضوع کے باوصف ایک مدعی علم و قیادہ کی تمام تعصباً اور جارحانہ تحریری چالوں کا مکمل و مدلل جواب بھی دیا ہے اور صحابہ کے متعلق کتاب و سنت کے اصول کی جگہ تاریخ و سیرہ کی ضعیف و موضوعہ روایات کے سہارے کی گئی۔ قلمی شعبہ بازیوں کا پڑھ بھی چاک کر ڈالا ہے لیکن کہیں بھی قلم بہکا نہیں بلکہ اصولی شریعت کی مکمل پابندی کا نہایت باوقار اور اہل علم و اہل حق کے شایان شان مظاہرہ کیا ہے۔ فریق مخالف پر کوئی ناجائز گرفت تک نہیں کی چہ جائیکہ کسی بے ہمتی یا طغی اور سب و شتم کی آلائش سے قلم کو آلودہ کیا ہو؛ جبکہ حریف نے یہ گندگی صحابہ پر اچھالنے تک سے بھی گریز نہیں کیا۔ فَشْتَانَ بَيْنَهُمَا!

۸۔ اس رسالہ کی اشاعت انشا اللہ تعالیٰ "مجلس خدام صحابہ پاکستان (ملتان)" اور اس کے خدام و معاونین کی بہترین خدمات و حسنات میں شمار ہوگی اور اس کے مصنف علامہ کے لئے دین و دنیا کی سرفرازیوں کا ذریعہ، کیونکہ جب ایک عام مظلوم، چاہے وہ کافر ہو یا مسلم اس کی حمایت قابل تحسین و اجر بنا دینی ہے۔ نوپھر گواہان وحی اور رسالہ اور

نابین پیر علیہم السلام کے عزت و ناموس کے لئے قوی، قلمی اور عملی جہاد تو یقیناً اس سے کروڑوں گنا زائد رحمت و نصرتِ خداوندی کا مستحق بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس پس منظر و پیش منظر مذکورہ اسباب تحریر اور اشاعتی محرکات کو اپنی اُمید و آرزو کا پیمانہ بنا کر عقائد و حقائق کا یہ علمی مرقع نیز فضائل و مناقب اور براہین و دلائل کا یہ حسین دینی گلدستہ قوم کے سامنے حاضر کیا جا رہا ہے۔ مقدمہ والے اس کے حسنِ ظاہر و جمالِ باطن سے غفلت نہ ہوں گے، خوش نصیب وہ ہیں جو اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ دار و معاون بنیں تاکہ دیگر شُرور و فتن سمیت سبائیت کی مفسد و ناپاک تحریک کا مناسب سدِ باب کیا جاسکے۔ اور غافل یگانوں اور خویش نمابیکانوں کی آنکھیں کھل سکیں۔!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
 راقمِ الشُّطْر: غلامِ بارگاہِ رسولِ اَزْوَاجِ وَاخْبَابِ سُوْل

“ ” “ ” “ ”
 * فقیر سید۔ ابو معاویہ۔ ابو ذر۔ اہلسنی اہلبلدی *

• کاشانہ معاویہ۔ ۲۳۲ کوٹ تعلق شاہ۔ ملتان شہر •
 :- (دوپہر شنبہ) :-

— (۲۶/۸/۸۵ء — ۲۱/۱۲/۶۵ء) —





DARUL ULOOM-UL-ISLAMIA

TANDO ALLAYAR—

HYDARABAD (PAK).

DATE

مکتبہ! مولانا ابو ذر بخاری دام لطفہ!
 اَسْلَام عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

جناب کا رجسٹری لغاتہ موصول ہوا تھا۔ بوجہ ناسازی طبع جناب میں
 قدرے تاخیر ہو گئی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی برائت میں
 جو مضمون "شہاب" میں چھپا ہے، آپ بخوشی اس کو کتابی شکل میں
 شائع کر سکتے ہیں۔ مگر شہاب میں یہ مضمون پورا نہیں چھپا۔ اس لئے
 اپنے مسودہ کی نقل بذریعہ رجسٹری بک پوسٹ ارسال کر رہا ہوں۔
 پیش لفظ بھی اس کے ساتھ ہوگا بلکہ پیش لفظ اس خط کے ساتھ ہے۔
 "شہاب" کے ۲۶ ستمبر کے پرچہ میں کالم ایک پر حاشیہ کے نیچے یہ لفظ
 قلم زد کر دیا جائے۔ "اپنی موجودہ بیوی کے بیٹے" اور اس کے بعد
 "لڑائی کرنے پر تکیے ہوئے تھے" کے آگے یہ عبارت بڑھادی جائے۔
 "شاید اس کا سبب کثرت رائے کا قلب ہوا ہو!"
 مسودہ کی نقل جو ارسال خدمت ہے، طالب علم کی لکھی ہوئی ہے

اس لئے اس کا مقابلہ "شہاب" کے پرچوں سے کر لیا جائے تو کتاب کو سہولت
 ہوگی اور مقابلہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ بعض مقامات پر "شہاب" میں کچھ
 عبارت کے حذف ہونے سے مضمون بے ربط ہو گیا ہے۔ اس لئے کتابی شکل
 میں اس مسودہ سے کتابت کرائی جائے۔ آپ حضرات اہل علم ہیں۔ ناقل کی
 غلطیوں پر خود واقف ہو جائیں گے۔ "شہاب" بھی سامنے رکھا جائے
 امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ مع انخیر ہوں گے۔ والسلام

دعا گو و دعا جو

ظَفَرَ أَحْمَدَ عَشَائِرَ

عَفَا اللَّهُ عَنْهُ!

۲۸ رجبی الثانیہ ۱۳۸۵ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برامت عثمان ذوالنورین

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

۱۔ ابتداً الحمد والصلوة اِگیارہ سال پہلے جب میرا قیام ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ میں تھا مجھے اس وقت انگریزی تعلیم یافتہ طلبہ سے معلوم ہوا تھا کہ جو تاریخ اسلام ان کو کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، اُس سے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق طلبہ کے ذہنوں میں اُن سے بدگمانی ہی بڑھتی ہے۔ حُسن ظن پیدا نہیں ہوتا حالانکہ دونوں صحابی ہیں جن سے ہر مسلمان کو عقائد اور تعظیم کے ساتھ حُسن ظن رکھنا لازم ہے۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس جماعت کے بعض لوگوں کو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے بھی بدگمانی ہے جس کا انکشاف اسی قریب صدمہ میں ہوا ہے۔

۲۔ بہر حال میں نے قیام ڈھاکہ ہی میں ایک رسالہ بنام - "كَهْفُ اللّٰسَانِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ" لکھا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ مسودہ ہی کی صورت میں رہا۔ طبع نہ ہو سکا۔ جس دوست کو صاف نقل کرنے کے لئے مسودہ دیا گیا۔ اس نے مدت تک تو نقل شروع نہ کی اور جب میں نے تقاضا شدید کیا تو کہا کہ کثرتِ بارش کی وجہ سے میری کتابیں بہت بھیگ گئیں اور آپ کا مسودہ بالکل ہی خراب ہو گیا کہ پڑھنے میں نہیں آتا۔ پھر اس مضمون پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی

۴۔ اسی قریب عرصہ میں بعض رسالوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید نظر سے گزری تو دل میں تقاضا ہوا کہ اس تنقید کا جواب لکھوں۔ اور براءت عثمان کے ساتھ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق جو غلط فہمی نو تعلیم یافتہ طبقہ کو پور ہی ہے اس کا بھی ازالہ کر دوں چنانچہ یہ رسالہ آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ اس سے ان تینوں حضرات کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور سب مسلمانوں کو سلف کی محبت و تعظیم کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین

۵۔ (اخبار ہفت روزہ) "شہاب" (لاہور) کی چند شاعتوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذی النورین کی براءت کے متعلق مضامین نظر سے گزرے جن سے معلوم ہوا کہ بعض "صحافی علماء" نے انکی شانِ فحیح میں ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو نازیبا ہیں۔ دل میں اسی وقت تقاضا ہوا کہ اس موضوع پر کچھ لکھوں کیونکہ "شہاب" میں اجمالی تبصرہ پر اکتفا کیا گیا ہے تفصیل سے کلام نہیں کیا گیا۔ مگر چند وجوہ سے تاخیر ہوئی۔

ایک تو موسیٰ بخاری میں چند روز مبتلا رہا۔ اس سے افاقہ ہوا تو جن کتابوں کی ضرورت تھی جن پر مفصل کلام موقوف تھا۔ اس وقت میرے پاس نہ تھیں۔ پھر دل نے فیصلہ کیا کہ اسی حالت میں کچھ لکھ دوں۔ امید ہے کہ اس مضمون کی برکت ہی سے دولتِ صحت و اطمینان نصیب ہو جائے کیونکہ اہل اللہ کے ذکر سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں پھر ان کا ذکر خود بھی لذیذ اور بابرکت ہے

یادِ یاراں یار را مِیْموں بُوَد
 خاصہ کالِ ییلی و این مِجَنوں بُوَد
 بازگو از نَجْد و از یارانِ نَجْد
 تا درودیوار را آری بہ دُجْد

اور کتابوں کا اس وقت پاس نہ ہونا جو مانع تھا، اس کے بائے
 میں دل نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ مجھے یاد ہے اس کو یاد ہی سے
 لکھ دوں۔ مخاطب اہل علم ہیں۔ وہ خود کتابوں سے مراجعت
 کریں گے۔

اس وقت میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اس کا ماخذ ڈاکٹر طہ حسین
 مصری کی کتاب — "الْفِئْتَنَةُ الْكُبْرَى" — اور تاریخ
 طبری اور "کامل ابن الاثیر" اور تاریخ ابن کثیر — اور —
 منہاج السنۃ علامہ ابن تیمیہ، "ازالۃ الخفاء" — "وفاء الوفا"
 للشمسودی — کنز العمال وغیرہ ہے اور یہ کتابیں اس وقت
 میرے پاس نہیں جو کتابیں میرے پاس ہیں ان کا نام معہ حوالہ صفحات
 کے دے دیا جائے گا۔ عَلٰی اَمْرِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ
 رَبَّنَا اِنَّا لَنَحْنُ حَقًا وَاَرْزُقًا اِيْتَاغَةً وَّالْبَاطِلَ اِيْتَاغًا وَاَرْزُقًا اِيْتَاغًا اِيْتَاغًا

والتسلام

☆
 ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ جاری اترانیہ ۱۳۸۵ھ

مقدمہ کے طور پر چند باتیں!

جواب لکھنے سے پہلے چند باتیں بطور مقدمہ کے عرض ہیں:-
 ا۔ علامہ ابن تیمیہ نے رہنما ج میں اور علامہ ابن القیم نے۔
 "زاد المعاد" میں اور جملہ محدثین نے اصول حدیث میں
 اس کی تصریح کی ہے کہ اخبار و سیر کی سب روایتیں معتبر
 اور حجت نہیں۔ صرف وہی معتبر ہیں جو سند کے ساتھ
 بیان کی جائیں اور سند صحیح ہو۔

ب۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے
 بالا نہیں۔!"

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا
 حق حاصل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے
 یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد
 کو مجتہد پر۔ غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں!۔

ج۔ صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے۔ مگر وہاں بھی اول سند
 کو دیکھا جائے گا کہ روایت تنقید کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں؟
 پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے

اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اور جواب نہیں دیا ہے تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے علیؑ افضل اور امیح کونسا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے افضل و افضح ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہے تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں۔ وہ جائیں اور ان کا کام۔ ہم کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ صحابہؓ بذریعہ تین سب سے افضل ہیں۔ اور ان میں عشرہ مبشرہ بقیہ سے افضل ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں شیخین دوسروں سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان پھر حضرت علیؑ۔ رضی اللہ عنہم! صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے:-

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان سے اسے جس کا اتباع کر لو گے، راہ پا لو گے! میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو رلامت اور طعن کا نشانہ نہ بنانا۔!

(۱) اصْحَابِي كَالنَّجْمِ فَبِأَيِّهِمْ
اِقْتَدَيْتُمْ؟ وَاهْتَدَيْتُمْ!
(رَوَاهُ الْمَرْزِيُّ - مَشْكُوٰةً)

(۲) اَللّٰهُ! اَللّٰهُ! اِنِّيْ اَصْحَابِي
لَا تَتَّخِذْهُمْ مِّنْ
لَّعِبِيْ عَرَضًا - !
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

صحابہ کے بارے میں گفتگو اَدَب کے ساتھ کرنا چاہیے۔ کوئی ایسا لفظ زبان یا قلم سے نہ نکالا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص لازم آئے۔

(۳) | اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ | تمام صحابہ صحیح حامل دین اور
عُدُولٌ ! | قابلِ اعتماد ہیں !

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شان

ابن میں حضرت ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق ان باتوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض رسائل میں بہ طور تنقید کے لکھی گئی ہیں اور مدافعت سے پہلے ان کی وہ عظمتِ شان بھی ظاہر کر دوں جو صحابہ کی نظر میں تھی۔ یہ ان مناقب و فضائل عثمان کے علاوہ ہے جو اب المناقب میں محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کئے ہیں :-

اسے ابن سعد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمان کو بلا کر فرمایا کہ :-

” (حضرت) عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو ! “

انہوں نے کہا کہ :-

”آپ تو ان کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں !“

فرمایا : ”پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو !“

حضرت عثمان نے فرمایا کہ :-

”بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا

ہے اور ہمارے اندر ان جیسا کوئی نہیں ہے۔“

حضرت صدیق نے فرمایا :-

”اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد

تم کو نہ چھوڑتا !“ (حیاء الصحابة - ج ۲ - ص ۱۹)

فائدا :- اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ کے

نزدیک حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

۲- لاکانی نے عثمان بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے

روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا وقت

قریب آیا تو حضرت عثمان بن عفان کو بلا یا تاکہ اپنے بعد کسی کی خلافت

کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ حضرت صدیق پر

بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ابی تک کسی کا نام نہیں لکھوایا تھا تو حضرت عثمان نے

خود ہی حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو فاقہ ہوا، حضرت

عثمان سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے؟ فرمایا :-

”مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر پیشی موت کی غشی نہ ہو، اور اختلاف و افتراق

پیدا نہ ہو جائے، اس لئے میں نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔
حضرت صدیق نے فرمایا :-

"اشد تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے
اہل تھے!" "أَحْيَاةُ الصَّحَابَةِ" ج ۲، ص ۲۲

خاندانہ :- اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کو حضرت عثمان کی اہلیت
خلافت پر پورا اعتماد تھا!

۳۔ ابن جریر نے محمد و طلحہ و زیاد رضی اللہ عنہم سے سند کے ساتھ روایت
کیا ہے کہ حضرت عمر مدینہ سے (شکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام
"صوّار" تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا
اسی جگہ قیام کریں گے؟ اور جب حضرت عمر سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے
تو حضرت عثمان کو واسطہ بناتے یا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کو۔
حضرت عمر کی خلافت میں حضرت عثمان کو ردیف کہا جاتا تھا جس کے معنی
نُصْرَتِ غَرْبِ مِیْنِ پچھے آنے والے کے ہیں۔ اہل عرب ردیف اسکو کہتے ہیں
جس کے بائے میں یہ امید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہوگا۔ اگر کبھی یہ دونوں
حضرات کسی بات کو حضرت عمر سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ
کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمان نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ :-
"آپ کو کوئی سنٹی خبر پہنچی ہے جس کی وجہ سے آپ شکر کو یہاں لئے
ہیں، آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

تو آپ نے نماز کیلئے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے

تو آپ نے واقعہ بتلایا (کہ مقام نہادندر پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کرسی خود میدان میں آگیا ہے، اب بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟) لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ الخ (یہ ایک طویل حدیث ہے)۔

فائدہ کا یہ ہے۔ مجھے اس اثر سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمانؓ پر تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے قریب مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ اور اللہ چھ حضرات نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار کر لیا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔! تو عبدالرحمان بن عوف دو تین رات تک مہیا جوں و انصار اور تمناؤں اجٹا کر اور اعمال وغیر تم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمان کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال رکھنا۔ میں نے صحابہؓ مہاجرین و انصار وغیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ

وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں		لَا يَعْزِلُونَ بِعَثْمَانَ
مجھے۔!		أَحَدًا۔!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقدّم و انضلیت اعلیٰ ہلیت خلافت پر صحابہؓ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبر واحد صحیح بھی ہو، تو

قبول نہ کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ضَعْفَاء و مجروحین و مُبْتَدِعِین اور شیعہ و خوارج کی روایتیں؛ کہ وہ تو کسی درجہ میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویانِ اُخْبَار و سِیَر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحبِ بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تلافِ جتنی بھی روایتیں ہیں، سب ضَعْفَاء و مجروحین اور اہل بدعتِ دَاخِلِیَّہ کی روایات ہیں۔

<p>ہاں کچھ روایاتِ تنقیدِ درست ہیں لیکن اُن میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حضرت عثمان کی شان کو کچھ گزند پہنچا سکے یا اُن کے اس ناقد کو کوئی نفع پہنچا سکے۔</p>	<p>مَا لَا قَلِيلٌ وَ لَيْسَ بِذَا انْقِلَابٍ مَا يَصْرَفَةٌ وَ يَنْقَمُ خَصْمَبًا وَ نَاقِدًا۔</p>
--	---

حضرت عثمانؓ کی نظر میں

۴۔ ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رافضیوں نے حضرت عثمان پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علیؓ کو تم اللہ و جبرئیل کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لایا ہے میں اُن کے آگے آگے حضرت حسن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ انہوں نے (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اہلِ بَلَد کو ادھر ادھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے

حضرت علیؑ نے کہا :-

”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اُس وقت تک نہیں کیا ، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو نہیں مارا۔ اور بخدا امیرالگمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں۔!“

حضرت عثمانؓ نے فرمایا :-

”میں ہر اُس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کا ذرا سا بھی خون نہ بہائے، نہ اپنا خون بہائے۔!“

حضرت ہلی نے پھر اپنی بات دُہرائی۔ حضرت عثمان نے پھر مسجد ہی جواب دیا۔ تو میں نے حضرت علیؑ کو دروازے سے نکلنے بولے یہ کہتے سنا :-

”اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے!“
پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز کا وقت آگیا تھا۔ (یعنی) لوگوں نے کہا :-
”يَا أَبَا الْحَسَنِ! (حضرت علیؑ کی کنیت ہے) آگے بڑھیے۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔!“

حضرت علیؑ نے فرمایا :-

”میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ السلیم) گھر میں محصور ہے۔ میں تنہا نماز پڑھوں گا۔!“

چنانچہ آپ نے تنہا ہاز پڑھی اور اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ اسی وقت ان کے صاحبزادے (امام حسنؑ) پہنچے اور کہا :-

”وَاللّٰہُ! (باغی) لوگ (حضرت عثمان کے) گھر میں گھس گئے ہیں!“
حضرت علی نے فرمایا :-

”يَا نَائِفِيہِ وَاَتَا الْيَمِيہِ مَا آجِعُونَ! بخدا یہ ان کو قتل کر ڈالیں گے!“
لوگوں نے پوچھا :-

”اے ابو الحسن! حضرت عثمان (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے؟“
انہوں نے فرمایا :-

”جنت میں، مقامِ قرب پر پہنچیں گے۔“
لوگوں نے عرض کیا :-

”اور قاتل کہاں جائیں گے؟“
فرمایا :-

”بخدا جہنم میں جائیں گے!“ اس بات کو تین بار دہرایا :-

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المنجیۃ، بطبری بوار حیا، ص ۲ ص ۱۱۵)
ابراہیم حاکم نے حضرت امام حسن بن علی اور عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے کہ انہوں نے باغیوں سے قتال کرنے کی حضرت عثمان سے اجازت مانگی تو آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ :-

”اے بھتیجے! کوٹ جاؤ۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کریں مجھے کسی کا خون بہانے کی حاجت نہیں۔“

ابو عمر ابن عبد البر نے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے

کہ قحاصرہ کے وقت میں بھی حضرت عثمان کے گھر میں تھا کہ باغیوں نے ایک شخص کو تیر سے مار ڈالا۔ میں نے حضرت عثمان سے کہا، اب تو ہمارے لئے قتال کرنا بلاشبہ جائز ہو گیا، کیونکہ انہوں نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا:-

”اے ابوہریرہ! میں تم کو قسم دیتا ہوں، تلوار پھینک دو۔ یہ لوگ میری جان لینا چاہتے ہیں تو میں اپنی جان دیکر مسلمانوں کا دقاریہ (ڈھال) بن جاؤں گا۔“

ابوہریرہ فرماتے ہیں:-

”اس پر میں نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ تلوار کہاں گئی؟“

(حَمَائِقُ الصَّحَابَةِ - ۲۵، ۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸)

فَأَشَدَّ نَأْوًا :- حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمانؓ سے تھیں ان میں حضرت عثمانؓ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر حضرت عثمان کے پاس میں قلم اٹھانا چاہیے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ اس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۵۔ علامہ ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) ”مِنْهَاجِ السُّنَّةِ“ میں فرماتے ہیں کہ:-

”امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علیؑ کی سنت پر اسی طرح عمل کرتے ہیں، جس طرح سنتِ عمر و سنتِ عثمان پر عمل کرتے ہیں

مگر دوست بعض علماء امام مالک وغیرہ سنتِ علی کا اتباع نہیں کرتے
حالانکہ سنتِ عمر و سنتِ عثمان کے اتباع پر سب کا اتفاق ہے،

(زینباج مج ۳ ص ۳۰۵ بحوالہ مقدمہ اعلام السنن ص ۱۱۱) ۱

فَأَشَدَّ كَا ۱۔ امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ جو سنتِ علی کی اتباع نہیں

کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں افتراق تھا، کچھ
صحابہ حضرت علی کے ساتھ تھے اور کچھ اُن کے ساتھ نہ تھے اُن کی سنت پر سب کا
اتفاق نہ تھا اور حضرت عمر و عثمان کی سنتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اسلئے
سنتِ عثمان کے اتباع پر سب علماء فقہاء متفق ہیں، اس حقیقت میں حقدور
دزن ہے، اہلِ علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۶۔ ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا ہے کہ
حضرت عمر کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش اُن سے
اُکتانہ گئے۔ اُنھوں نے قریش (کے مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا،
(کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں) حضرت عمر نے فرمایا:۔

”مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمہارے ارعادہر بلاد اسلام میں صول
جانے سے ہے۔!“

اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لئے بھی اجازت مانگتا، تو
فرمادیتے کہ ۱۔

”تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے
بس وہی کافی ہے۔ آج کل تمہارے لئے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے

کہ نہ تم دنیا کو دیکھو، نہ دُنیا تم کو دیکھے !

جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے، انہوں نے اُن حضرات کو رخصت دیدی کہ جہاں چاہیں جائیں۔ اب یہ لوگ بلادِ اسلام میں اِدھر اُدھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رُجوع ہونے لگے۔ محمد و طلحہ کہتے ہیں کہ:

”یہ پہلا ضَعْف تھا جو اسلام میں داخل ہوا اور عام مسلمانوں میں

فِتْنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی۔ !

حاکم نے قیس بن ابی جازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا کہ:

”اپنے گھر میں بیٹھو، تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (بہت) جہاد کر لیا ہے !“

حضرت زبیر نے بار بار درخواست کی تو عیسری یا چوتھی بار میں فرمایا:

”اپنے گھر بیٹھو۔ وَاَسْر! میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد میں (غائباً) جنگِ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زُبیر و طلحہ کا بڑا ہاتھ تھا) مبتلا کر دو گے۔ !“

(اور حضرت عمر بڑے صاحبِ فراست اور صاحبِ کشف تھے)۔

ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس سُنَد کو صحیح کہا ہے۔ !

فَأَشَدَّ فَاحَةً مَّكْرًا مَّصِحَّ بُخَارِي كِي رَوَايَتٍ سَيَّاسَةً تَابِتٌ هِيَ كَهْرَافَةُ زُبَيْرِ
بن العوام جنگِ یَمُوكُث میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

عمر نے اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ اجازت دیدی ہوگی
 غالباً اسی وجہ سے حضرت عثمان نے بھی ان صاحبوں سے پابندی اُٹھادی تھی
 کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمر نے پابندی
 لگا رکھی تھی وہ اُس سے اُکتائے تھے۔ جو روشن خیال علماء حضرت عثمان پر
 تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمر نے اکابرِ مہاجرین
 کو مدینہ میں محصور کر کے اُن کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت
 کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اُس پر کسی جگہ
 کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیر و سیاحت اور سفر پر پابندی لگائی جائے۔
 اس لئے ان مُتجددین (مادرن) کے نزدیک تو حضرت عثمان کا یہ کارنامہ
 جمہوریت کے موافق تھا اور حضرت عمر کا عمل سراسر خلافِ جمہوریت تھا۔!
 یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت عمر نے قریش کے اُن افراد پر
 کوئی پابندی نہیں لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا اسی روایت کے
 بعض الفاظ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قریش کے اُن افراد پر
 تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مہاجر ہو کر مدینہ آگئے تھے
 حضرت عمر اُن کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ
 میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی۔ جو،
 ذیلی عہدِ سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پایۂ تخت میں سینے پر چھو کر کہنے
 کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ ذیلی عہدِ سلطنت کی عظمت رعایا کے قلوب میں
 بہت ہوتی ہے۔ لہذا اُس کو پایۂ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت

دے دی جائے تو بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع ہو جائیں گے جس سے
 بعض دفعہ سلطان وقت کی سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا
 ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقعہ ہونا مذکور ہے۔ اسلام میں
 خلافت۔ میراث تو ہے نہیں کہ بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام
 میں اس کا مدار قابلیت و اہلیت پر ہے۔ اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر
 بن کر مدینہ آگئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے اُن سب کو
 حضرت عمرؓ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ مدینہ میں
 حضور رکھا۔ یا کما شاداً املنا حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ)
 اور اُن جیسے ایک دو صاحبوں پر یہ پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح وہی عہد
 سلطنت اس قسم کی پابندیوں سے گھرا جاتا ہے، اُسی طرح یہ مہاجرین قریش
 بھی اس پابندی سے اُکتا گئے اور بار بار جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جانے
 کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو اجازت دیدی۔ اور حضرت
 عثمانؓ نے اس پابندی کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اُن کی
 آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ ان حضرات نے مدینے سے باہر قدم
 رکھا تو لوگ اُن پر جھگ پڑے اور حضرت عمرؓ کی حیات ہی میں بعض لوگوں
 کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد ہم حضرت طلحہ
 (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے
 آخری خطبہ میں اُن لوگوں کو سخت تہنیت کی کہ :-
 چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنالے۔

خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جاسکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے! (صحیح بخاری)

حضرت عثمان ایک سال سخت بیمار ہوئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان اس مرض میں وفات پا گئے تو ہم حضرت زینر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زینر نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ (سَلَامُ اللہِ وَرِضْوَانُہُ عَلَیْہَا) کو ہم (مخزن) عثمان کے مطالبہ کے لئے راست اقدام کرنے پر مجبوراً تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ:-

”بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہیے!“

چنانچہ جنگِ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمر کا منشا تھا تو بصرہ میں ان کے حامی نہ پیدا ہوتے، نہ جنگِ جمل کی نوبت آتی، نہ خلافتِ عثمان میں وہ انتشار پیدا ہوتا، جو قتلِ عثمان کا سبب بنا۔ ! وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعَلَمٌ ہَا

اَنْتُمْ وَاَھْلَکُمْ :- !

آبے میں اُن تنقیدات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بعض ”تو تعلیم یافتہ علماء“ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کی ہیں۔ سب سے پہلی تنقید یہ ہے کہ:-

”حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو رفتہ رفتہ عمر کی پالیسی سے پٹھے چلے گئے، مائٹوں نے پے در پے بنوائیہ کو بڑے بڑے اہم مہم سے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر

موجب اعتراض بن کر رہیں۔ بنی اُمیہ میں جو لوگ دو بر عثمانی میں آگے
 بڑھائے گئے وہ سب مُلقا میں سے تھے؟
 (مُلَقَاءِ وَه صحابہ میں، جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔)
 اس کا جواب حضرت عثمان نے خود یہ دیا تھا کہ،

”میں نے اپنی خلافت میں بجز ایک شخص عبدالشہ بن عامر بن کریر بن
 کے بنو اُمیہ میں سے کسی کو بھی از خود عامل نہیں بنایا، بلکہ سب حضرت
 عمر کے بنائے ہوئے عامل ہیں اور عبدالشہ بن عامر مجھے میں نے عامل
 بنایا ہے، اُس سے کسی کو کوئی نکالت نہیں، بلکہ سب اُس سے
 نکلش ہیں۔“

فَأَشَدَّ مَا هُوَ - واقعہ یہ ہے کہ یزید و جَزْد (گَزْد) شاہِ فارس کو جب شکستِ نِش
 ہو گئی تو وہ اِدھر اِدھر بھاگا پھرتا تھا۔ جس شہر میں جاتا، وہاں کا فارسی حاکم
 اس کی آؤ بھگت کرتا اور بھاگا ہوا لشکر اُس کے گرد جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ
 کرتا تھا۔ اس صورت میں ملکِ فارس کا نظام مختل رہتا تھا۔ حضرت عثمان
 نے بصرہ کے گورنر کو (جس کے تحت خراسان بھی تھا) یہ تاکید کی کہ جس طرح
 بھی ہو، کِسریٰ کو گرفتار یا قتل کر دو، تاکہ روزِ کا جگرِ ختم ہو۔ جب تک
 کِسریٰ آزادی سے گھومتا رہے گا، فساد کا قلعِ قمع نہ ہوگا۔ مگر بصرہ کا کوئی
 گورنر اس مہم کو سر نہ کر سکا، تو حضرت عثمان نے عبدالشہ بن عامر بن کریر
 سے مشورہ کیا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ میں انشا اللہ اس مہم کو سر کر لوں گا
 تو حضرت عثمان نے ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو بصرہ کی گورنری

سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو یہ منصب عطا کر دیا۔ اور اس نے بڑی شجاعت اور سیاست سے کسریٰ کو محصور کر لیا اور وہ محاصرہ ہی کی حالت میں مارا گیا جس کے بعد ملک فارس کا نظم و نسق مسلمانوں کے قبضہ میں پوری طرح آ گیا۔ عبداللہ بن عامر صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا۔ بڑا بہادر، متقی اور ہوشیار تھا۔

۶ کہ معنی ابو ذر صورتِ خوب را ہے!

(اچھی شکل میں ایک خاص رُمز اور مفہوم ہوتا ہے)

اس شخص کے علاوہ جتنے عمال۔ (گورنر)۔ بنو اُمیہ یا طلقاء میں سے تھے، وہ سب حضرت عمر کے بنائے ہوئے عامل تھے۔

عکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) بھی طلقاء میں سے تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُن کو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے ایک دستہ فوج کا قائد بنا کر سرحدین کے مقابلہ میں بھیجا تھا اور فتوحاتِ شام میں انھوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ بالآخر جنگِ اجنادین یا اسی کے قریب کسی جنگ میں دارِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جس کا پورے لشکرِ اسلام کو سخت ہندسہ ہوا۔

ولید بن عقیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدقات کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر نے بھی اس کو بعض مقامات کا عامل بنایا تھا،

یہ ضرور ہے کہ بنو اُمیہ کے یہ عمال حضرت عمر کے زمانہ میں معمولی مقامات کے عامل تھے۔ جب تجزیہ کار ہو گئے، اُن کو ترقی دیکر کسی بڑے مقام کا عامل

بنادیا اور یہ کوئی نازیبا بات نہیں۔ محال کو ترقی دینا سب ہی مستحقین حکومتوں کا طریقہ ہے۔ ! کہا جاتا ہے کہ۔

”اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی ہو سکتے تھے۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فارج ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے۔ لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کیلئے تو نہ آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر و صلح تھا جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے پرہیز کرنا بہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اُس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ اور تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔“

میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن لوگوں کو مکہ اور خیبر اور بصرہ میں حاکم بنایا گیا، کیا وہ صحابہ کی اگلی صفوں میں آتے تھے؟ بخون کا پہلا گورنر مُنذِر بن سادقِ قُندی تھا۔ پھر فلاح بن انصاری۔، مکہ کے حاکم عتاب بن اسید تھے۔ اور خیبر کے سواد بن عکرمہ۔ ! ان میں سے کوئی بھی صفِ اول میں نہ تھا۔ حضرت خالد بن ولید و عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما)، جب سے مسلمان ہوئے حضور نے ہمیشہ ان کو قائدِ عسکر، یا امیر بتایا۔ بلکہ غزوہ ذاتِ السلاسل میں حضرت اسدِ مخدوم کو بھی حضرت عمرو بن العاص کا ماتحت بنا دیا۔ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا حاکم بنایا ہی طرح حبشہ اُسامہ میں اکابرِ مہاجرین و انصار حتیٰ کہ حضرت عمر کو بھی اُسامہ کی ماتحتی میں کر دیا گیا

فتح شام کے بعد پہلے گورنر ابو عبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ) تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خلافت فاروق میں (حضرت) یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گورنر ہوئے، یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ ان کے انتقال پر حضرت عمر نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو امارتِ شام پر مامور فرمایا۔ یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ آپ عہدِ نبوت اور عہدِ صدیق، اور عہدِ فاروق کے عمال و حکام پر نظر ڈال جائیں تو ایک روکے سوا تمام عمال صفِ ثانی یا ثالث ہی کے نظر آئیں گے۔ ولید بن عقبہ کے بارے میں کہ چکا ہوں کہ اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا تھا پھر حضرت عمر نے بھی اس کو عامل بنایا۔ حضرت عثمان نے بھی اس کو عامل کو فہ بنا دیا تو کیا جرم کیا؟ آپ کو تسلیم ہے کہ اس کے انتظام سے اقل اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے، بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ نئے نوشی ہے۔ نئے نوشی کے سوا اور کسی جرم کی نشان دہی کسی مورخ نے نہیں کی۔ سو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نئے نوشی کا ارتکاب حضرت قدامہ بن مظعون صحابی بڑی (رضی اللہ عنہ) سے بھی ہوا تھا، جن پر حضرت عمر نے حد جاری کی تھی۔ یہ صفِ اول کے صحابی تھے۔ مگر ان کو یہ مُخالطہ ہوا تھا کہ آیت

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا
إِذَا مَا اتَّقَوْا وَ آمَنُوا

نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے کوئی گناہ اُس چیز میں جو (نا جائز) کھایا پیا انھوں نے (پہلے) جبکہ وہ متقی ہو گئے اور مؤمن بن گئے۔

وَمِيلُوا الضَّالِّينَ ! اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ !
 کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب پی کر ایمان و عمل صالح اور تقویٰ پر قائم
 رہیں۔ ان پر کوئی گناہ نہیں !
 حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا :-

”تم نے آیت کا مطلب قلط سمجھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمتِ شراب
 سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی تھی اور ایمان و عمل اور تقویٰ پر کار بند
 رہے، ان کو پھلے نے نوشی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا۔“

کیونکہ فِيمَا طَعِمُوا صيغہ ماضی ہے، مستقبل نہیں، یہ مطلب نہیں کہ
 نزویٰ حرمت کے بعد کوئی شراب پئے اور ایمان و عمل صالح و تقویٰ پر
 کار بند رہے اس کو بھی گناہ نہیں کیونکہ حرمت کے بعد شراب پینے سے
 تقویٰ کہاں باقی رہا؟ اگر ایسا ہی مغالطہ دلید کو بھی ہوا ہو، جو صفِ اول
 کے صحابی نہیں تو کیا بعید ہے؟ پھر حضرت عثمان نے بتلا دیا کہ نبؤا مية
 کے جب قدرِ عمال ہیں، وہ حضرت عمر کے بنائے ہوئے عمال ہیں، تو جو
 اعتراض حضرت عثمان پر کیا جا رہا ہے وہ دراصل حضرت عمر پر ہے۔
 کہ انہوں نے ایسے لوگوں کو عامل کیوں بنایا جو صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔
 بلکہ صفِ ثانی یا ثالث کے تھے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی گورنری

ایک بڑا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا گیا کہ :-

انہوں نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر

مسلل ۱۶-۱۷ سال مامور رکھا۔

حضرت عثمان کی خلافت کی مدت کل ۱۲ سال ہے جو معترض کو بھی تسلیم ہے، پھر وہ حضرت معاویہ کو ۱۶-۱۷ سال اپنی خلافت میں گورنر کیسے رکھ سکتے تھے؟ اور اگر خلافتِ عمر کا زمانہ بھی عثمان ہی کے نامہ اعمال میں شامل کیا جاتا ہے تو ۱۶-۱۷ سال نہیں بلکہ بیس سال کہنا چاہیے۔ حضرت معاویہ خلافتِ عمر میں ۸ سال سے زیادہ امیرِ شام رہے۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں ۱۲ سال۔ جس شخص کو حضرت عمر نے ۸ سال مسلسل امانتِ شام پر مامور رکھا، اگر حضرت عثمان نے اُسے ۱۲ سال مسلسل رکھا تو کیا جرم کیا؟ یہ سوال سب سے پہلے حضرت عمر سے کرنا چاہیے کہ انہوں نے ایک شخص کو ایک ہی صوبہ پر مسلسل ۸ سال گورنر کیوں رکھا؟ معترض کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کہ:-

حضرت عمر کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے۔

بلکہ ان کا قاعدہ یہ تھا کہ جس حاکم سے رہایا کو شکایت نہ ہو، اُس کو الگ نہیں کہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) برابر بصرہ کے حاکم رہے۔ حضرت عمر نے ان کا تبادلہ نہیں کیا، نہ وہاں سے معزول کیا (حضرت) علاء بن الحضرمی (رضی اللہ عنہ) بحرین کے حاکم رہے، ان کا تبادلہ نہیں کیا گیا۔ ان کے انتقال پر دو ٹوٹا گورنر بھیجا گیا۔ اور یہ واقعہ

کہ حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے رعایا شام خوش تھی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اور وہ سیاست اور حلم میں ضربُ التمثیل تھے۔ شام کا صوبہ جیسا معترض کو تسلیم ہے اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے، ایک طرف تمام مغربی صوبے تھے۔ یہاں ایسے ہی سیاستدان (اور) حلیم کی ضرورت تھی، جس سے پورا صوبہ شام خوش اور مطمئن ہو۔

خُش کا قصہ

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ:-

”حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ کا پورا اُٹھس غنیمت مروان کو دیدیا جو پانچ لاکھ دینار تھا۔!“

یہ غلط ہے (جناب مروان رضی اللہ عنہم) اُٹھس افریقہ سے کیا واسطہ تھا؟ واقعہ یہ ہے، کہ افریقہ کی حدودِ مصر سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ مگر افریقہ کے عیسائی حدودِ مصر پر حملے کرتے اور کبھی مصر کے اندر آ کر فساد برپا کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ افریقہ پر فوج کشی کی جائے تاکہ ان پر رعب قائم ہو۔ اور مصر کے نظام کو مختل نہ کر سکیں۔

اس وقت حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) مصر کے والی تھے۔ ان کو حضرت عثمان نے افریقہ کی جانب فوج کشی کا حکم دیا تو انہوں نے راستہ کی دشواری کا ہنڈ کیا۔ ان کے نائب عبدالمشیر بن لہی سترخ نے اس پر آمادگی ظاہر کی

تو حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن ابی سرح کو والی مصر بنا دیا گیا۔ جب انہوں نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکرِ جرار کے ساتھ میدان کارزار میں قیام کیا، شاہِ افریقہ خود مقابلہ میں آگیا۔ اور اُس نے اعلان کر دیا کہ:-

”جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا سر میرے پاس لائے گا، اس کو آٹھ لاکھ دوں گا، اور اپنی بیٹی سے شادی کر دوں گا۔“

اب ہر افریقی سپاہی عبداللہ بن ابی سرح کا سر لینے کے دھپے ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ میدان کارزار سے ہٹ کر خیمہ میں آگئے اور ایک دستہ فوج خیمہ کے گرد تعینات کر کے میدانِ جنگ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا، جس کے پاس خیمہ ہی سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔

افریقہ کی اس جنگ میں عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لئے مدینہ سے بھی ایک بڑا لشکر پہنچ گیا۔ جس میں (حضرت) عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، امام حسن، حضرت حسین اور فضل بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم بہادرانِ قریش بھی شریک تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ بن ابی سرح میدان میں نہیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیر ان کے خیمہ میں گئے اور پوچھا کہ:-

”آپ خیمہ میں کیوں ہیں، میدان میں چل کر خود فوج کی کمان کیوں نہیں کہتے؟“
(انہوں نے) کہا:-

”میرا سر کاٹنے پر شاہِ افریقہ نے اپنی بیٹی دینے اور آدھی سلطنت دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس نے ہر افریقی میرا ہی سر کاٹنا چاہتا ہے۔“

عبداللہ بن زبیر نے کہا :-

” تو آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ ، جو شخص شاہِ افریقہ کا سر لائے گا ، میں اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور مالِ فنیمت کا پورا خمس دے دوں گا ۔“
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ اب شاہِ افریقہ میدانِ چھوڑ کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا ۔
اور عبداللہ بن ابی سرح میدان میں آگئے ۔ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے ایک دستہ فوج کے ساتھ شاہِ افریقہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کر کے سر نیزہ پر بلند کیا ۔ افریقی فوج کو شکست ہوئی ۔ اور عبداللہ بن ابی سرح اعلان کے مطابق خمسِ فنیمت کے مستحق ہو گئے ۔ فوجِ اسلام نے ان کے استحقاق کو تسلیم کیا ۔ حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے بھی اس حق کو تسلیم کیا ۔ مگر جب عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور اُسکے ماننے والوں نے اس کو بُری طرح اُچھالا کہ :-

” حضرت عثمانؓ نے اپنے رضاعی (دُودھ شریک) بھائی کو اتنی بڑی دولت دی ہے ، یہ اقرباءِ نوازی ہے ۔ !“

تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا کہ :-

” تم خمسِ افریقہ کو واپس دہاں بھیج دو ، میں تم کو اپنے پاس سے مناسب انعام دے دوں گا ۔ بعض لوگ ، تم کو پورا خمس دینے پر چھ میگوئیاں کر رہے ہیں ۔ !“

بتلائیے ! اس میں الزام کی کونسی بات تھی ۔ ؟ رہا یہ کہ :-

” حضرت معاویہؓ کے مسلسل ہونہاروں پر گورنر بننے کا خیازہ حضرت علیؓ کو جگت پڑا“

خیال خام ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ لبرہ میں تو حضرت معاویہ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علیؑ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔؟ وہاں جنگ جمل کیوں ہوئی؟ اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علیؑ کی بیعت سے نہ صراحتاً انکار کرتے تھے۔ نہ اقرار، جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے — مقابلہ نے حضرت معاویہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ معاملہ مشکوک ضرور ہے۔ ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، حضرت علیؑ کی بیعت تو ذکر ان کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے۔ حضرت علیؑ کو یہ مشکل اس لئے پیش آئی کہ انھوں نے امام حسن اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کو بائبل نہ چھیڑا جائے۔ ان سولوں کا نظم و نسق منجبالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی ہے۔ معاویہؓ اکیلے کب تک رہیں گے؟ آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت منظور کر لیں گے۔

حضرت منیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ اس پر ہمارے ناقد صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”حضرت علیؑ اگر حضرت معاویہ کے معزول کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا۔ تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا۔ جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم و تدبیر

کا کچھ علم نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ کا توفیق تو اسی وقت معلوم ہو گیا تھا، جب انھوں نے حضرت علی کی بیعت میں توفیق کیا۔ اور مطالبہ کے بعد سفید کاغذ بھیج دیا تھا۔ مگر حضرت امام حسن اور ابن عباس اور منیر بن شعبہ حضرت معاویہ کے حلم و حکمت سے واقف تھے کہ ان کو نہ چھیڑا گیا تو وہ ہرگز مقابلہ پر نہ آئیں گے۔

مگر حضرت علی نے ان کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور ان کے بڑے بڑے ساتھیوں۔ مالکیت اشتر نخعی وغیرہ کی رائے پر عمل کیا، جو حضرت معاویہ سے بڑائی کرنے پر تلمے ہوئے تھے۔ شاید کثرتِ رائے کا غلبہ اس کا سبب ہوا ہو۔ اور ان دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اول الذکر کو اپنا مشیر خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فرج کا کانڈر انچیف۔ حالانکہ یہ دونوں قتل عثمان سے مشہور اور اس فتنہ گبری کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت معاویہ اور ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافتِ علی کی پوزیشن کو خدوش بنا دیا اور جنگِ جمل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگِ جمل نے حضرت علی کی جماعت میں بھی اضطراب پیدا کر دیا۔ ان کے بہت سے حامی، جو اب تک ان کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے، شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگِ صفین بھی بے نتیجہ رہی۔ پھر جو صوبے ان کے ساتھ تھے، آہستہ آہستہ ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی۔ اور کوفی صوبہ ان کے قبضہ میں نہ رہا۔

مردان کی شخصیت

دوسرا اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مردان بن الحکم کو مامور کر دیا تھا۔ اور (جناب) مردان (رضی اللہ عنہ) کو فتنہ پرواز ثابت کرنے کے لئے امن کی سوتیلی ساس (حضرت) نائلہ (رضی اللہ عنہا) کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ:-

"حضرت عثمان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مردان پر عائد ہوتی ہے۔"

اگر حضرت نائلہ کا یہ قول (جناب) مردان کو مستہم کر سکتا ہے تو ان کا یہ ذل محمد بن ابی بکر کو بھی مستہم کر سکتا ہے کہ:-

"قاتلان عثمان کو خفیہ راستہ سے گھر میں لانے والے محمد بن ابی بکر تھے۔" پھر حضرت علی نے اپنے دربار میں ان کی پوزیشن اتنی کیوں بڑھائی کہ ایک موقع پر ان کو مصر کا گورنر بھی بنا دیا؟ کیا یہ پوزیشن ہمارے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے؟

اب (جناب) مردان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں محدثین ناقدین کے احوال ملاحظہ ہوں۔

— حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں ان کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے زواہر میں شمار کیا ہے اور صحاح چھ میں ان کا شمار قسیم ثانی میں یعنی ان صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے

مگر سماع ثابت نہیں۔ بہر حال اُن کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رُوَیَّة کو صحابہِ بیت کے لیے کافی سمجھا جائے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب اُن لوگوں کے اقوال پر اہتیفات نہ کیا جائے گا۔ جو اُن میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔

فَإِنَّ الْقَصَابَةَ كَلَّمَهُمْ | بلا شک تمام صحابہ عادل یعنی سچے
عُدُولُ - ! | دین دار و قابل اعتماد ہیں - !

۲۔ عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ مروان حدیث میں مشہم نسبتے سہل بن سعد ساعی نے صدق پر اعتماد کر کے اُن سے روایت کی ہے اور وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ علی بن الحسین (حضرت زین العابدین) اور عروہ بن الزبیر والیو بکر بن عبد الرحمن بن الحامث اور سعید بن المسیب و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور مجاہد و ابوسفیان مولیٰ بن ابی احمد نے اُن سے روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور وہ حضرت عمرو عثمان و علی اور زید بن ثابت و ابو ہریرہ اور بکر بن ہزیم و صفوان و عبد الرحمن بن الاسود بن عبد یغوث رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مُرْسَلًا روایت کی ہے۔

۳۔ حافظ (ابن حجر) نے مُقَدَّمَةٌ "فَتْحُ الْبَارِئِ" میں فرمایا ہے کہ:-
"مروان پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ یوم الجمل میں انھوں نے حضرت طلحہ کے تیر مارا، جس سے وہ فوت ہو گئے پھر معاویہ بن یزید کے بعد طلحہ خلافت کے لئے تلوار اٹھائی۔"

حضرت طلحہ کے قتل کے بارے میں تو اسمعیل وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ قتل تاویل سے تھا۔ جیسا اور صحابہ کے ہاتھ سے بعض صحابہ جنگِ جمل و صفین میں قتل ہوئے ہیں۔ اور اس کو تاویل پر محمول کیا گیا کہ ان کے نزدیک فریقِ ثانی باغی تھا اور باغی کا قتل جائز ہے۔" بایں سہ ماہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیث اور (فقہی) رائے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوا سب اصحابِ صحاح نے ان کی حدیث کو لیا ہے۔

فائدہ: — مؤطا امام مالک کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ امام مالک (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کو فقہاً مدینہ میں شمار کرتے اور مؤطا میں بکثرت ان کے اقوال فقہیہ بیان فرماتے ہیں حافظ ابن حجر کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ کے قتل سے پہلے (جناب) مروان پر کوئی سنگین اعتراض نہیں تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں (جناب) مروان کو مدینہ کا والی بنایا گیا، تو اسی زمانہ میں سہل بن سعد ساعیدی صحابی اور عروہ بن الزبیر اور حضرت زین العابدین اور ابو بکر بن عبدالرحمن ابن الحارث وغیرہ اجلہ تابعین نے ان سے حدیث روایت کی۔ اگر خلافت عثمان میں کوئی اسرِ خلافِ عدالت و ثقاہت ان سے صادر ہوا ہوتا تو یہ حضرات ہرگز ان سے روایت نہ کرتے۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ:۔

"مروان نے حضرت عثمان کی طرف سے حاکمِ مصر کو خط میں لکھ دیا تھا کہ یہ لوگ (محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی) مضر پہنچیں تو

ان کو قتل کر دینا۔"

حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :-

"ان بلوایوں نے حضرت علیؓ و
طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی
طرف سے (عبرہ و کوفہ کے)
خوارج کے نام جعلی خط لکھے جس کا
ان سب حضرات نے انکار کیا
لیسے ہی حضرت عثمان کے نام
سے بھی انہوں نے جعلی خط لکھا

كَتَبُوا مِنْ جِهَتِي عَلِيٍّ وَ
طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ إِلَى
الْخَوَارِجِ كُتُبًا مَزُورَةً
أَنْكَرُواهَا وَهَكَذَا
رَوَاهُ وَاهَذَا الْكِتَابُ
عَلَى عُثْمَانَ !

(ابن کثیر ج ۴، ص ۱۷۵)

جس سے نہ حضرت عثمان کو کچھ واسطہ تھا نہ مران کو یہ سب بلوایوں کی حرکت تھی۔

دِحْسَبُ تَضَادٍ!

دوسرے مرحلہ پر معترض نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ :-
"خلافت عثمان میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سرطندی
کا اتنا بڑا کام ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی
ان کے خلاف بغاوت کا خیال تکمیل میں لانے کیلئے تیار نہ تھے
یہاں یہ بھی لکھنا چاہیے تھا کہ ان کی خلافت میں نہ کوئی عیب والا بھی
کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے کول آجاتا تو حضرت عثمان بیت المال کھول کر
فرمادیتے کہ جتنا چاہو لے جاؤ یہی وجہ ہے کہ جو مختصر سا گروہ (دو ہزار

کے قریب، اُنکے خلاف شورش کرنے اٹھا، اس نے بغاوت کی دعوت
 عام دینے کے بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے علمبردار
 کو ذہاب، بصرہ اور مصر سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے باہم خط و کتابت
 کر کے خفیہ طریقے سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان پر باؤ ڈالیں، ان
 اس مرحلہ پر معترض کو دو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ
 جب عام طور پر بلادِ اسلام میں سب مسلمان خلیفہ وقت سے خوش تھے۔ صرف
 دو ہزار افراد ان کے خلاف سازش کر رہے تھے تو پھر حضرت عثمان کے خلاف
 جو باتیں اس نے پہلے مرحلہ میں لکھی ہیں وہ عام مسلمانوں کے نزدیک جہاں اعتراض
 نہ تھیں۔ صرف اُس سازشی محقر گروہ کے نزدیک ہی وجہ اعتراض تھیں۔ تو اب
 جو شخص حضرت عثمان پر تنقید کر رہا ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف اس سازشی گروہ
 کی تائید کرنا چاہتا ہے جس کی تعداد خود اُس کے اقرار سے دو ہزار کے اوپر نہ تھی۔
 دوسرے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اس سازش کا منشاء کیا تھا؟ اگر تحقیق سے
 کام لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس تحریک کی ابتداء مصر سے ہوئی تھی جہاں اُس
 وقت عبداللہ بن سبا یہودی منافق، جاہل، فوجیوں میں۔ حُبّ اہل بیت۔
 کا افسوس سزا دہ۔ پھونک کر عصبیتِ جاہلیت کو زندہ کر رہا تھا اور حضرت
 عثمان سے حضرت علی کو افضل بتلا رہا تھا۔ "محبتِ علی" کا نام لے کر حضرت عثمان
 پر اعتراض کرتا، اہان کے عمال میں بھی عیب نکالتا رہتا تھا۔ اس قریب میں
 دو ہزار کے قریب مسلمان آگئے۔ انھوں نے سازش کر کے مدینہ کا رخ کیا۔ اور
 حضرت عثمان کو محصور کر دیا۔ آپ حُریمِ رسول کو قتل و قتال کی آماجگاہ بنا نہیں

چاہتے تھے۔ اس نے اپنے حامیوں کو مقابلہ سے روک دیا۔ باغیوں کی منشا کے موافق اپنے کو خلافت سے محروم کر کے جان بچا سکتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ :-

<p>اِنَّ اللّٰهَ سَيَقْبِضُكَ قَبِيصًا فَاَنْ اَادَا الْمُنَافِقُونَ اَنْتَ تَنْزِعُهَا فَلَا تَنْزِعُهَا - (اوکاقل)</p>	<p>اَشَدُّ لَعْنًا تَمَّ كَوَ اَيِّكُمُ قَبِيصٌ يَهْدِيكُمْ اِذَا رَمَيْتُمْ رِيحًا يَوْمَئِذٍ اِذَا رَمَيْتُمْ رِيحًا يَوْمَئِذٍ اِذَا رَمَيْتُمْ رِيحًا يَوْمَئِذٍ</p>
--	--

قبیص سے منصبِ خلافت کی طرف اشارہ تھا اس لئے خلافت سے بھی اپنے کو الگ نہ کر سکتے تھے جس کا انجام یہی ہونا تھا کہ شہید ہو گئے۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ :-

”اُن باغیوں کو حضرت عثمان کے محروم کرنے یا اُن سے محرومی کا مطالبہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا نہ یہ اہلِ حَلِّ و عَقْد تھے نہ کسی عقیدہ جماعت کے ماننے والے۔“

قیصرے مرحلہ میں ناقد نے چند باتوں پر زور دیا ہے۔ (کہ) :-

- ۱- حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کیونکہ امت یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ رہ گئی۔

- ۲- لا محالہ خلیفہ کا انتخاب جلد سے جلد ہو جانا چاہیے تھا اور مدینہ میں ہونا چاہیے تھا۔ وہی مرکزِ اسلام تھا اور یہیں اہلِ حَلِّ و عَقْد موجود تھے
- ۳- اس معاملہ میں نہ تاخیر کی جاسکتی تھی نہ مدینہ سے دور روانہ کے یا دُھما کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع تھا خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔
- ۴- شوریٰ کے موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد دوسرے شخص

جن کو اُمت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام حاصل ہے حضرت علی ہی ہیں۔ اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کیلئے انہی کی طرف رجوع کرتے آئے۔ یہ تمام مقدمات مُسَلَّم ہیں۔ صرف تیسرے نمبر کے متعلق یہ کہنا ہے کہ امام حَسَن رضی اللہ عنہ کی رائے میں تاخیر کی گنجائش تھی۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے عرض کیلئے کہا: "اب لوگ آپ کے پاس بیعتِ خلافت کے لئے آئیں گے۔ آپ اس میں عجلت نہ کریں بلکہ صاف فرمادیں کہ تمام سولوں کے گورنروں کو بلا یا جانے اہل مدینہ کے ساتھ وہ بھی میری خلافت پر متفق ہوں، تو میں اس منصب کو قبول کروں گا ورنہ نہیں۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا:۔

"اب تک کسی خلیفہ کے لئے مدینہ سے باہر کے لوگوں کو نہیں بلایا گیا میرے واسطے یہ کیوں ضروری ہے؟"

امام حَسَنؑ نے فرمایا کہ:۔

"آپ کی صورت حال اُن سے مختلف ہے۔ آپ کی موجودگی میں اُن بلوائیوں نے، جو آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حُبِ اہل بیت و محبتِ علیؑ کا نعرہ لگاتے ہیں، خلیفہ وقت کو قتل کیا ہے اور سب آگے یہی بلوائی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئیں گے۔ اگر آپ نے ان کو بیعت کر لیا تو دروڑ والوں کو شبہ ہوگا کہ آپ بلوائیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ (اور بعض کو یہ شبہ بھی ہوگا کہ قتلِ عثمان میں آپ کا ہاتھ ہے) اس لئے ضروری ہے کہ سب عمال کو بلا یا جائے تاکہ کسی کو شبہ کی گنجائش نہ رہے!"

حضرت علی نے فرمایا:-

”میں استخارہ کروں گا۔!“

استخارہ کے بعد آپ نے بلوایوں اور مدینہ والوں کی درخواست پر ہی بیعتِ خلافت لے لی۔

اگرچہ حضرت علی کا یہ طرز عمل اپنی جگہ درست تھا اور ان کی خلافت کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر آئندہ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ امامِ حسنؑ کی عائے پر عمل کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ سو یہ کہ اتنی مدت تک مسلمان بلا خلیفہ کیسے رہتے؟ سو اس میں اتنی قباحت نہ تھی جتنی اُس صورت میں ہوتی کہ بلوایوں کی موجودگی میں بیعتِ خلافت لے لی گئی۔ چالیس^(۱) دن حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) محصور رہے تو عملاً اُس وقت ہی مسلمان بلا خلافت کے ہی تھے اور مدینہ کے سوا پوری اسلامی مملکت کا نظم و نسق بخوبی قائم تھا۔ اگر ایک مہینے کی اور تاخیر ہو جاتی تو مملکت کے نظم و نسق میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ ان دو ہزار باغیوں کے سوا عام مسلمان امن پسند تھے اور عمالِ عثمان ہر مقام پر مضبوطی کے ساتھ انتظام کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اور اگر منصبِ خلافت کے خلاء کو جلدی ہی پُر کرنا ضروری تھا تو حضرت علی اس وقت خلافت کو قبول کرتے ہوئے صاف فرماتے کہ میں مستقل خلیفہ اس وقت بنوں گا جب سب عمال جمع ہو کر مجھے اس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اُس کے بعد عمال کو بلا یا جاتا کہ وہ سب اہل مدینہ کے ساتھ مل کر مسئلہ خلافت کو طے کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی ہوا جس کا امامِ حسنؑ کو خطرہ تھا۔ کہ سب سے پہلے بلوایوں نے ان کے ہاتھ پر

بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت کی۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ پہنچے اور مہتابیہ دیم (خون) عثمان کے لئے قوت فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ :-

”آپ حضرات تو حضرت علیؑ کے اہل پر بیعت کر کے آئے ہیں۔“

انہوں نے جواب دیا :-

”بَايَعْنَاكَ وَاللَّجَّةُ رِيفَ

أَعْنَانَا -“

”ہم نے اس حال میں بیعت کی
تھی کہ ہماری گدن دبائی جا رہی تھی“

جب ایسے حلیل القلم صحابہ پر بھی دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ ان بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ خلیفہ دقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار کر کے شریعت کے موافق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انہوں نے ایک خون کر دیا تھا۔ ان کا جرم سنگین تھا کہ بلوہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ اڑا۔ اور خلیفہ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظّم نائب رسولؐ تھا، قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو ملکی سزاکے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالک اشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سیکرٹری بنا لیا (جو فتنہ قتل عثمانؓ کے ہانی تھے)۔ اور ان کے دوشے ساتھیوں میں سے کسی کو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں شامل کر لیا گیا کچھ کو فوج میں۔

بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپیل کرتے کہ ان بلعائیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو مطالبہ دیم (خونِ عثمان) کے لئے راست اقدام سوچنے کی نوبت نہ آتی۔!

مُطَالَبَةُ قِصَابِ كَا حَقِّ!

ہمارے ناقد کا یہ کہنا کہ۔

”یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعویٰ کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا، خون کا مطالبہ کرنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور مدینہ میں لوہد تھے۔“ الخ

اس سنگین واقعہ (شہادتِ عثمان) کی سنگینی سے قصداً اغماض ہے۔ اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ صرف ایک انسان کے قتل کا واقعہ نہ تھا بلکہ بلوہ اور بناوت کر کے خلیفہ کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ کیا اس جرم کی سزا کا مطالبہ بھی صرف درشاہی کا حق تھا؟ دوسرے مسلمانوں کو بلوائیوں اور باغیوں کے لئے اس سنگین بناوت کی سزا کے مطالبہ کا حق نہ تھا۔؟ ظاہر ہے کہ اس کا حق سب مسلمانوں کو تھا۔

طبرانی نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ:-

”جب قاتلین عثمان نے حضرت معاویہؓ کو حضرت علی سے بیعت کرنے کو کہا (مدینہ سے جو وفد بھیجا گیا تھا، اس میں کچھ طوبانی بھی ہوں گے) تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ :-

”میں حضرت علیؓ سے بیعت کر لوں گا، بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاص میں عثمانؓ میں قاتلوں کو قتل کر دیں یا (اگر خود وہ نہ کر سکیں تو) اُن کو میرے حوالے کر دیں۔“

اور دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی :-

اور جو شخص ظلماً مارا یا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے، اسکے ولی وراثت کیلئے مضبوط حق، چودہ وارث ابدلہ لیتے وقت ہانکنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب ہے گا۔ !

وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي اَلْقَتْلِ اِنَّهٗ كَاٰتٍ مِّنْصَوْمًاۙ !
ابن عباس فرماتے ہیں کہ :-

”مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمان کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہ ضرور غالب ہوں گے۔“

(إذالة الجفاء جلد ۱ ص ۴۴) (ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۱)

”إذالة الجفاء“ میں بھی یہ روایت دو سکر الفاظ سے ہے۔ مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے ناقد کی تنقید کا جواب ہو گیا کہ حضرت معاویہ کو مطالبہ دم (خون) عثمان کا حق حاصل تھا۔ ابن عباس نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حق صرف وارثوں کو ہے !

رہا یہ کہ اس فریق نے بجائے مدینہ کا رخ کرنے اور وہاں جا کر مطالبہ پیش کرنے کے جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے سب ڈرتار موجود تھے بصرہ کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خون عثمان کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو سراسر غیر آئینی طریقہ تھا۔ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ اس راست اقدام کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؑ نے ان بلوائیوں کو پتھار کھانے کی بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟

اس صورت حال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کیا، ان کو ہرگز گوارا نہ ہوا کہ خلیفہ مظلوم کے قاتل یوں دند ناتے پھریں کہ نہ حکومت ان پر کوئی دارو گیر کرتی ہے۔ نہ مجرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے اگر مقتول کا دلالت قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور لغاوت کا مجرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی۔ بلوائیوں اور قاتلوں کے لئے نصی قرآن موجود ہے۔

یہی سزا ہے ان لوگوں کی، جو
 لڑتے ہیں خدا اعداس کے
 ہر عمل سے۔ اور بھاگ سوڑ
 کہتے ہیں دھرتی میں دنگھنہ
 پیلانے کے لئے کہ ان کو

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ
 يُحَارِبُونَ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ
 أَن يَكُونُوا
 كَالَّذِينَ
 قَاتَلُوا

يَصَلُّوْا اَوْ تَقَطَّعَ
 اَيْدِيْكُمْ وَاَنْ
 اَنْتُمْ جُنُودٌ
 مِنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا
 مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ
 نَهْيٌ خَزِيٍّ فِي الدُّنْيَا
 وَنَهْيٌ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
 عَظِيْمٌ (پ ۱۷ ع ۹)

قتل کیا جائے یا وہ سولی
 چڑھائے جائیں، یا کانٹے جائیں
 ان کے ہاتھ اور پانوں مخالف
 جانب سے یا نکال دیئے جائیں
 ملک سے، یہ ان کی رسوائی
 ہے دنیا میں اور ان کے لئے
 پھلے جہان میں بڑی سزا اور
 بڑا دکھ ہوگا۔ !

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علیؑ کو معلوم تھا۔ ان کی قتل و غارت گری کا منظر
 بھی ان کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔
 حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین
 کو قتل کیا جاتا۔ اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جیلنے کی سزا دی جاتی
 فریقِ اوّل کی طرف سے یہ عند بیان کیا جاتا ہے کہ:-

"حضرت علیؑ کو ان بلوائیوں کے دہانے کی طاقت نہ تھی۔ سارے
 عمال ان کے ساتھ مل جاتے تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔"

فریقِ ثانی اس کے جواب میں کہتا ہے کہ:-

اگر فی الواقع وہ عاجز تھے تو گوہرِ شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
 کو یہ کہنے کا حق تھا کہ:-

۱:- آپ ان کو میرے حوالہ کر دیں میں سزا دیدوں گا۔

۲:- اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو مجھے گرفتار کرنے کی اجازت دیدیں اور

آپ اُن کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صوبائی گورنر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ۔ مرکز مجھے اجازت دیدے تو میں اُس کی سرکوبی کے لئے کافی ہوں؟ اس کو زمانہ قبل اسلام کی بد نظمی سے مشابہ قرار دینا ہمارے ناقد کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ کہنا کہ:-

”خون عثمان کے مطالبہ کا حق ادل تو حضرت معاویہ کے بھلے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا ہے۔“

صاف بتلا رہا ہے کہ۔ وہ اس واقعہ کو صرف ایک نفس کے قتل کا جرم سمجھے ہوئے ہے۔ بلوہ اور بغاوت اور خلیفہ مظلوم کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے سازش کرنے کے جرم سے آنکھیں بند کر رہا ہے کیونکہ اس جرم کی سزا کا مطالبہ صرف وارثوں کا حق نہ تھا بلکہ سب مسلمانوں کا حق تھا۔

ناقد کو اقرار ہے کہ:-

”حضرت طلحہ اور زبیر چند دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت علی سے

ملے اور کہا،

”ہم نے اقامتِ مدرد کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی۔

اب آپ اُن لوگوں سے بدلہ لیجئے جو حضرت عثمان کے قتل

میں شریک تھے۔“

اس کے جواب میں حضرت علی نے یہ نہیں فرمایا کہ۔ اس مطالبہ کا آپ کو حق

نہیں بلکہ دارشانِ عثمان کو ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ :-

”جو کچھ آپ جانتے ہیں میں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔ مگر میں اُن

لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم اُن پر؟“

اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

صل کر لبرہ کا رخ اس لئے کیا تھا کہ حضرت علیؓ اُن بلوایوں کو نہیں دیا سکتے، تو ہم

اپنے حامیوں کی جماعت ساتھ لے کر بلوایوں کو گرفتار کر کے سزا دلوائیں گے۔

مگر حضرت علیؓ کو اُن کے مشیروں نے اٹا سمجھایا کہ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ باغی ہو گئے

ہیں۔ اس لئے آپ مدینہ سے لشکر لے کر جس میں بلوائی بھی شامل تھے۔ خود

لبرہ جا پہنچے، جس کے نتیجے میں جنگِ جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اگر حضرت علیؓ

ان بلوایوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تو فریقین میں جو گفتگوئے صلح اس موقع

پر ہو رہی تھی کامیاب ہو جاتی اور جنگ کی نوبت نہ آتی۔ مگر بلوایوں نے اس

صلح میں اپنی موت دیکھی تو بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کر دی۔ پھر سزا جو کچھ ہوا

یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ۔ جب حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں یاغیوں

کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر اُن کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا؟

اور بانی فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا گیا؟

کہ وہ ہر جگہ ہر مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتے؟ اور سیاسی اور جنگی

مہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے؟

کیا ہمارے معترضین ناقد جو درجہ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں، اس گتھی کو

سنبھالنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

پانچویں مرحلہ میں ناقد نے اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ (رضی اللہ عنہ) کو "خلیفہ" کے بجائے "مَلِکُ" (بادشاہ) ثابت کرے مگر یہ سبوں گئے کہ قرآن نے طائوت کو بھی مَلِکُ کہا ہے :-

اور فرمایا بنی اسرائیل کے نبی نے اُن کو کہ بلا شک اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تمہارے لئے	وَقَالَ لَهُمْ مَوْلَاهُمْ إِنَّا أَنزَلْنَا قَدْ بَعَثْنَا لَكُمْ طَائُوتَ مَلَكَاتٍ !
--	---

طائوت کو بادشاہ بنا کر۔ !

(پ. ۱۰۱، ص. ۱۶)

اور حدیث صحیح میں ہے جن کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ :-
"اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طائوت کے برابر تھی جو اُن کے ساتھ نہر سے پار ہوئے تھے۔"

اور اُن میں سب کے سب مومن کامل تھے !	وَمَا جَاءَ ذَكَرًا بِأَكْثَرِ مُؤْمِنِينَ !
---	---

معلوم ہوا کہ ملک ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ ہاں ملکِ عضو ضُرکات کھانے والا ہونا بُرا ہے۔ سو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ملکِ عضو ضُرکات تھے۔ اُن کا علم ضرب المثل تھا۔ وہ تو دشمنوں کو بھی اپنے علم سے رام کر لیتے تھے، موانعتوں کا تو کیا ذکر؟ اُن کی سخاوت اور سیاست کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ بیس سال خلیفہ رہے اور پورے عالم اسلام میں کوئی اُن سے جبرگم کرنے والا نہ تھا۔ انھوں نے بلا مناع اور اختلاف کے حکومت کی۔ بعد کے خلفائے مخالفین بھی ہوئے بلکہ بعض علاقے

اُن کے قبضے سے نکل بھی گئے جس سے کعبُ الأُجبار (تاپسی، رحمتہ اللہ علیہ) کی اس پشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ:-

”جیسی حکومت معاویہ کو ملے گی ویسی کسی کو نہیں ملے گی۔!“
حافظ ذہبی مشہور محدث فرماتے ہیں کہ:-

”کعبُ الأُجبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کعبُ الأُجبار کو یہ بات پہلی کتابوں سے معلوم ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ کتبِ سابقہ کے بڑے عالم تھے۔“
(التصوایح المخرقة ۱۹۸)

پھر ابن کثیر مؤرخ و محدث نے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی تھی

۱۔ امام حسنؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ معاویہ ولایت (حکومت) حاصل کریں گے۔“

۲۔ سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی سے روایت ہے کہ:-

”حضرت معاویہؓ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُضو کرا رہے تھے۔ دُضو کرتے ہوئے ایک دو بار حضور نے حضرت معاویہؓ کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا:-

"اے معاویہ! اگر تم کو ایسا تمل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا۔"
حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے خلافت کی امید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ
ہی سے ہو گئی تھی کہ۔ اے معاویہ جب تم والی بنائے
جاؤ تو لوگوں کے ساتھ مہربانی و احسان کرنا۔"

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت "ملکِ عَفُوضُ" (کٹ بھرنے
والی شاہت) میں داخل ہوتی تو آپ صاف فرمادیتے کہ۔ اگر تم کو والی بنایا جائے
تو حکومت ہرگز قبول نہ کرنا۔!

ابن کثیر نے بعض احادیث ایسی بھی روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا
ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کے حق میں دعائیں بھی کی ہیں۔ ایک دُعا کے الفاظ یہ ہیں:-

اے اللہ! معاویہ کو حساب	اللَّهُمَّ عَلِمَ مُعَاوِيَةَ
و کتاب سکا۔ اور عذاب	الْحِسَابِ وَالْكِتَابِ
سے بچا۔!	وَقِهِ الْعَذَابِ :-

(حضرت معاویہ کے مناقب اور ان کے دفاع میں مستقل کتاب
"تَظْهِيرُ الْجَنَانِ" لکھنے والے محدث و فقیہ علامہ ابن حجر مکی
رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:-

"یہ حدیث حسن ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ۔ اقتلانی جنگوں کی
وجہ سے آخرت میں بھی حضرت معاویہ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ بلکہ

مأجور ہوں گے ما زور (ماخوذ) نہ ہوں گے۔؟

دوسری دُعار کے الفاظ یہ ہیں :-

اے اللہ! معاویہ کو علم (دین)

عطار فرما۔ اور اُن کو ہدایت دینے

والا اور ہدایت پانے والا بنا۔

اُن کو ہدایت کر اور اُن کی وجہ

سے دوسروں کو ہدایت کر۔!

اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْعِلْمَ

وَاجْعَلْهُ هَادِيًا

مَهْدِيًا وَ

أَهْدِيًا وَ

بِهِ -

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو شام کا والی بنایا اُس وقت

اُن کی عمر چالیس سال سے بہت کم تھی، لوگوں نے کہا :-

”آپ اس جوان کو اتنی بڑی حکومت دیتے ہیں؟“

تو حضرت عمرؓ نے یہی حدیث پیش کی کہ :-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ۔ اے اللہ!

معاویہ کو ہادی مہدی بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت بخش“

کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے، جس کے ہادی سفینہ مولیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مضمون کے آزاد کردہ غلام) ہیں، کہ :-

أَخْلَافُهُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ

میرے بعد خلافت تین سال

سے گی۔ پھر بادشاہی ہوگی۔

سَنَةً تَتَوَلَّكُونَ مُلْكًا -

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث

نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے :-

اسلام کی چکی میرے بعد
پنتیس سال یا پچتیس سال
یا ستیس سال تک چھلتی
رہے گی۔ !

قَدْ وَرَدَتْهُ الْإِسْلَامُ بِخَمْسِينَ
وَتَلَاثِينَ أَوْ سِتِّينَ وَتَلَاثِينَ
أَوْ سَبْعٍ وَتَلَاثِينَ - !
(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ - مُشْكُوَّةٌ ص ۶۵)

اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ستیس سال کے بعد حکومتِ اسلام
ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ
اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا تو
اس میں سات سالِ خلافتِ معاویہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے
الگ کیونکر کیا جاسکتا ہے ؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

یہ دینِ اسلام عزتِ نادر مضبوط	لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ مُعَزِّزًا
رہے گا بارہا خدا تک جو سب	مَزِيدًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً
قریش سے ہوں گے۔ !	كَلِمَةً مِنْ قُرَيْشٍ - ! (ص ۱۱۹)

ان بارہ میں حضرت و امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ
صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات
بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو "خَلِيفَةً" کہا گیا ہے "مَلِكٌ"
نہیں کہا گیا۔

"جَمْعُ الزَّوَالِ" - اور - "جَامِعٌ صَغِيرٌ" - میں ہے ۔

میرے خلفاء کی تعداد موسیٰ
علیہ السلام کے نقباء کے برابر ہے

إِنَّ عِدَّةَ الْخُلَفَاءِ لَكُنْهِ
عِدَّةَ نُبُوءِ مُوسَىٰ - !

اس سے بھی ہارہ خلفاء کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔

قرآن میں بھی آیا ہے کہ :-

ہم نے قوم موسیٰ میں بارہ
نقیب مقرر کئے تھے۔ !

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ
نَقِيْبًا - !

ناقد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ :-

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت نعمان بن بشیرؓ ان کا
خون سے بھرا ہوا قمیص اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی
ہوئی انگلیاں حضرت معاویہ کے پاس درمشتق لے گئے تو انھوں
نے یہ چیزیں منظر عام پر لٹکا دیں تاکہ اہل شام کے جذبات بھڑک
اٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ۔ حضرت معاویہ
خون عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی
طریقہ سے لینا چاہتے ہیں۔ الخ

اس (ناقد) کو سوچنا چاہیے کہ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں
وہ یہ قمیص اور کٹی ہوئی انگلیاں شام کیوں لے گئے؟ شہادت عثمان کی خبر ہی
لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ ناقد نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ۔
نعمان بن بشیر اور حضرت معاویہ اس مظاہرہ سے حضرت علیؓ کے خلاف جذبات
عامہ کو بھڑکانا چاہتے تھے؟ بلکہ ان کا مقصد ان بلوائیوں مفسدوں کے خلاف

جذبات کو بھڑکانا تھا جس کی اُس وقت ضرورت تھی تاکہ حضرت علیؑ جذباتِ عامہ کی رعایت کر کے جلد از جلد ان بلوائیوں کو کیڑ کر دارتک پہنچائیں کیونکہ ایسے مفسڈ ملک میں آزادی کے ساتھ زندہ رہنا آئندہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا چنانچہ بعد میں یہی لوگ خارجی بن کر حضرت علیؑ اور جملہ خلفاء کے لئے درِ دہر بن گئے۔

ابن کثیر کی روایت ہے کہ :-

"جب حضرت علیؑ نے ابو مسلم خولانی کی قیادت میں کچھ لوگوں کو حضرت معاویہ کے پاس اپنی بیعت کی دعوت کے لئے بھیجا تو حضرت معاویہ نے جواب میں فرمایا :-

"مجھے بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں، خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ علیؑ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، مگر آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور ان کے قاتل حضرت علیؑ کے ہمراہی بن کر زندہ دندنا تے پھر رہے ہیں؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ - علیؑ نے (معاذ اللہ) حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، یا کرایا ہے، یا سازش کی ہے۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ان قاتلوں کو حضرت علیؑ نے پناہ دے رکھی ہے۔ آج وہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں یا انہیں خود قتل کر دیں، تو ہم سب ان کی بیعت کر لیں گے۔ اور سب سے پہلے میں بیعت کر دوں گا۔"

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت معاویہ صرف قاتلین عثمان کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانا چاہتے تھے، حضرت علی کے خلاف نہیں۔!

اس سے اُن روایات کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا، جو ناقد نے طبری وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ :-

"حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ - حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر اُن سے جنگ کی جائے۔" یا - "انہوں نے پانچ گواہ تیار کیے، جنہوں نے شہادت دی کہ - حضرت علی نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے۔ یعنی قتل کرایا ہے۔"!

یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کے متعلق اس قسم کی افواہیں لوگوں میں پھیل ہی ہوں، مگر یہ غلط ہے کہ حضرت معاویہ نے یہ باتیں پھیلائی تھیں۔ کیونکہ ابن کثیر کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ خون عثمان سے وہ حضرت علی کو بائبل بڑی سمجھتے تھے اور اُن سے بیعت کرنے کو بھی تیار تھے اگر وہ قاتلان عثمان کو پناہ دینے سے کنارہ کش ہو جاتے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد ناقد نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کر کے لکھا ہے کہ :-

”اس جنگ (صفین) کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس
نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے
اور باطل پر کون؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر
جو حضرت علیؑ کی طرف تھے، حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے
ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمار کے بارے میں یہ حدیث صحابہ
میں مشہور تھی۔

تَقْتُلُكَ الْغِيَاةُ الْبَاغِيَّةُ | تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا
پھر حافظ ابن حجر اور ابن کثیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ :-
”قتل عمار کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ حق حضرت علیؑ کے ساتھ
تھا۔“ الخ !

مگر یہ بات صحابہ پر واضح نہیں ہوئی۔ اگر ان پر بھی واضح ہو گئی ہوتی تو
پھر تحکیم کی ضرورت کیا تھی؟ اور تحکیم کے بعد بقول ناقد کے حضرت علیؑ کے
نمائندے ابو موسیٰ اشعری نے یہ کیوں کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں
حضرات (علی و معاویہ) کو الگ کر کے خلافت کے مسئلہ کو مسلمانوں کے
باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں، وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں؟ نص صریح کے بعد
اس قسم کی تحکیم کے کچھ معنی نہیں تھے، کسی کو اس میں رائے زنی کا حق تھا
اس سے صاف معلوم ہوا کہ قتل عمار حضرت علیؑ کے حق پر ہونے اور
حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے پر صحابہ کے نزدیک نص صریح نہیں تھا۔
بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؑ کی فوج میں بلوانی قاتلان عثمان

جیلہ و تدبیر سے شامل ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوج مُعاویہ میں بھی شامل ہو گئے ہوں۔ اصنافوں نے حضرت معاویہ کو بد نام کرنے کے لئے حضرت عمار کو قتل کر دیا ہو، جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ۔ قتل عمار کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حکیم پرفریقین راضی ہو گئے۔ حضرت علی نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتل عمار سے میرا حق پر ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اب کسی حکیم کی ضرورت نہیں رہی۔!

دوسرے۔ "وَفَاءُ الْوَفَاءِ" میں اس حدیث کو ہتھار و غیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

<p>اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے، بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔!</p>	<p>يَا عَمَّارُ! لَا يَقْتُلُكَ أَصْحَابِي، تَقْتُلُكَ انْفِئَةٌ الْبَاغِيَّةُ۔!</p>
--	--

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی۔ اور۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ پس اُن کو قاتل عمار کہنا ایسا ہی غلط ہے، جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتل عثمان کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بِالْإِتِّفَاقِ وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔ پس وہی گروہ قاتل عمار تھا جو خضیہ طریقہ سے فوج مُعاویہ میں شامل ہو گیا تھا۔ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل عمار کی خبر سن کر صاف دمادیا تھا کہ

میری فوج میں سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا۔ میری فوج میری تابعدار ہے، اور میں نے اُسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرت عمارؓ پر کوئی ضرب نہ آنے پائے۔ نہ اُن پر کوئی ہتھیار اُٹھائے، ہاں فوجِ علیؓ کی تابعدار نہیں ہے۔ یہ اُن ہی کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ وہی قاتلِ عمارؓ ہیں۔!“

بہر حال حضرت معاویہ باغی نہ تھے۔ وہ طالبِ قصاصِ دمِ (خونِ) عثمان تھے، جن کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیتِ قرآنی —

اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے	وَمَنْ قُتِلَ
تو ہم نے بنا رکھا ہے اُس کے	مَظْلُومًا فَقَدْ
ولی وارث کے لئے مضبوط حق	جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ
پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت)	سُلْطَانًا فَلَا
مارنے میں زیادتی نہ کرے	يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ
(تو بلا شک وہی مدد یافتہ و	إِنَّمَا كَانَتْ مَنصُورًا
غالب اور کامیاب رہے گا۔!	إِذَا لَمْ يَخْضَرْ مَتًّا

— کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ منظرِ منصور ہوں گے۔ بس اس باب میں ہم کو وہی کہنا چاہیے جو فتنہ خوارِ ج کے متعلق ایک حدیث صحیح میں وارد ہے :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ | بِرِجَالِهِمْ دَمٌ نَكَلِي

فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ
يَقْتُلُهُمْ اَوْلِيَ
الطَّاغُوتِيْنَ بِالْحَقِّ!

جب مسلمانوں میں انفریق ہوگا
اور اس گروہ کو وہ قتل کرے گا
جو دونوں فرقوں میں سے
حق کے زیادہ قریب ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتنہ خوارج کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا
ان کا ظہور اُس وقت ہوا جب حضرت علی جنگِ صفین سے واپس کوثر
پہنچے، اور دوبارہ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ فتنہ اُن کیلئے
مزید دردِ سر بن گیا۔ وہ اسی فتنہ کے قلعِ قمع میں لگ گئے اور شام پر فوج کشی
نہ کر سکے۔

حدیث میں فتنہ خوارج کی ایک علامت بھی بتلائی گئی تھی کہ۔ اُن میں
ایک کالا آدمی ہوگا، جس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہوگا۔ جب
حضرت علیؑ نے لشکرِ خوارج کو شکست دیدی تو اس شخص کو تلاش کیا گیا جو
بہت سی لاشوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر حضرت علیؑ نے نعرہ
تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ۔

”یہی وہ جماعت ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے دی تھی۔ اور میرے ہاتھوں سے قتل ہوئی۔“

تو ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ ”حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما
دونوں حق پر تھے۔ مگر حضرت علی حق کے زیادہ قریب تھے جیسا حضرت علیؑ
کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما دونوں حق پر ہیں۔ مگر۔

ابو حنیفہ حق سے زیادہ قریب ہیں۔ جملہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں ان کے
مقلدین یہی کہتے ہیں۔

صحابی کی نیت پر حملہ

آگے چل کر ناقد نے لکھا ہے کہ :-

”حضرت عثمان کی شہادت کے دو سو روز سخت معرکہ برپا ہوا۔
جس میں حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی تھی۔
اس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا
کہ۔ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے :-

”هَذَا حَكْمٌ بَيْنَنَا وَ | ”یہ ہمارے اور تمہارے
بَيْنَكُمْ۔!“ | ”درمیان حکمِ فیصل اور پہنچ ہے“

اس پر ناقد کا یہ کہنا کہ۔ ”یہ ایک جنگی چال تھی۔“ مسلم ہے۔ اور
یہ کوئی جرم نہیں۔ ”الْحَرْبُ خُدْعَةٌ“۔ حدیث مشہور ہے، کہ
جنگ تدبیر اور چال ہی کا نام ہے۔ مگر مسلم نہیں کہ انھیں قرآن کو حکم بنانا سر
سے مقصود نہ تھا۔ یہ۔ ”صحابی کی نیت پر حملہ ہے۔“ جس کا ناقد کو کوئی حق
نہیں۔ قرآن کو تو ہر مسلمان حکم مانتا ہے۔ ایک صحابی کے متعلق یہ خیال کرنا بڑی
جرات ہے کہ قرآن کو حکم بنانا ان کا مقصد نہ تھا۔ البتہ اس سے یہ بات واضح
ہو گئی کہ قتل عثمان کا واقعہ دونوں فریق کے نزدیک کسی کے حق یا ناحق پر
ہونے کی فیصلہ کن محبت نہ تھی۔ اب بھی قرآن کو حکم بنانے کی ضرورت باقی تھی

اس کے بعد ناقد نے تحکیم کے قصہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
 نقید اور حافظ ابن کثیر محدث دمویرخ کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے
 ”جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لے کر
 اُس وقت تک کی رُوداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا
 ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا۔ الخ“

میں کہتا ہوں، جو انصاف پسند آدمی جنگِ صفین کی پوری رُوداد
 پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ حضرت علی اُن حالات
 میں دونوں طرف کے عوام کو سنبھال سکتے تھے۔ اُن کے ماننے والوں
 کی حالت تو یہ تھی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا ہوا دیکھ کر اُن میں پھوٹ پڑ گئی
 اور حضرت علیؑ نے لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ، مگر ان میں پھوٹ
 پڑ کر رہی۔

اور جب مالکِ اشتر نخعی نے جو فوج علی کا کمانڈر انچیف تھا، جنگِ بند
 نے سے انکار کیا تو حضرت علی کی فوج کے نالاٹھوں نے یہاں تک کہ دیا کہ،
 اگر جنگِ بند نہ کی گئی تو ہم آپ کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے حوالہ
 کر دیں گے۔!“

پھر تحکیم کے وقت حضرت علی کا نمائندہ یہ کہتا ہے کہ:-
 میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں (یعنی - حضرت علیؑ و معاویہؓ)
 کو خلافت سے الگ کر کے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے مشورہ پر
 چھوڑ دیں۔“

جس سے معلوم ہوا کہ اُن کے خاص آدمی بھی اُن کی خلافت سے مطمئن نہ تھے کیونکہ جملہ عوام و خواص کو بخوبی سنبھالنے والا اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ اس کے برعکس فوجِ معاویہ اُن کی پوری تابعدار و مطیع تھی۔ اور خاص و عام سب ہی اُن سے خوش تھے۔ اس حالت میں حضرت عمرو بن العاص نے جو کچھ کیا وہ عین تقاضائے وقت و مصلحت تھا۔ کیونکہ آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف کے عوام و خواص کو بخوبی سنبھال لیا، کہ اُن کی بیسٹ سالہ خلافت میں کسی طرف سے بھی اُن کے خلاف بغاوت نہیں ہوئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت معاویہ نے ایک موقع پر خود فرمایا تھا کہ:-

”مجھے علی کے مقابلہ میں تین دُجوں سے کامیابی ہوئی۔ ایک یہ کہ میں قریش میں محبوب تھا اور وہ محبوب نہ تھے۔ دوسرے میں اپنے مازوں کو مخفی رکھتا تھا، وہ مخفی نہ رکھتے تھے۔ (سب کے سامنے راز کی باتیں بیان کر دیا کرتے تھے)۔ تیسرے میری جماعت دُنیا میں سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھی اور ان کی جماعت سب سے زیادہ نافرمان تھی۔“

جو شخص ان حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا، وقت اور مصلحت کے تقاضے کے موافق کیا۔ پھر اس حکیم کے بعد حضرت علی کی جو تقریر ناقصہ نے خود نقل کی ہے، اُس میں حضرت عمرو بن العاص پر وہ الزام نہیں لگایا گیا جو ناقصہ

نے لگایا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

”سُنو! یہ دونوں صاحب جنہیں تم نے حکم مقرر کیا تھا، انہوں نے

قرآن کے حکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر اُن میں

سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی

دافعِ حجتِ اہل سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلہ میں

دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں!

اس میں حضرت علی نے ایک حکم پر نہیں بلکہ دونوں ہی پر الزام لگایا ہے۔ پھر

کسی کو کیا حق ہے کہ کسی ایک کو موردِ الزام بنائے؟

کھلی عصبیت

اس کے بعد ناتدنے لکھا ہے کہ :-

”جب حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان کے

ذمہ دار ہیں، انہوں نے جواب میں فرمایا۔ ”لَعَنَ اللَّهُ قَتْلَةَ

عُثْمَانَ - (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد

بتدریج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرب حاصل کرنے لگے جو حضرت

عثمان کو شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک

بن الحارث الأشر (نخعی) اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے

عہدے دیدیئے۔ درآنحالیکہ قتلِ عثمان میں ان دونوں صاحبوں

کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے

اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ مگر دل یہی کہتا ہے کہ
 کاش امیر المؤمنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا۔!“
 اس پر پہلا سوال تو یہ ہے کہ :-

”ناقد کو بتلانا چاہیے کہ قتل عثمان کے بعد کسی دقت بھی محمد بن ابی بکر
 اور مالک اشتر غنی حضرت علی کے تقرب سے دور رہے تھے؟ اگر
 جواب نفی میں ہے تو پھر یہ بتدریج کا لفظ کیوں لایا گیا؟“
 اور دوسرا سوال یہ ہے کہ :-

”حضرت عثمانؓ نے ایسے اعمال مقرر کئے جن پر سبائیوں کو اعتراض تھا
 تو وہاں آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کے کچھ ایسے اسباب
 ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ یہ ”کھلی عصبیت“ نہیں تو
 اور کیا ہے؟ کہ حضرت عثمان پر سبائیوں کے اعتراض کو ذنی
 قرار دیا جائے اور حضرت علی پر حضرت معاویہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ
 عنہم کے اعتراض کو یہ کہ کر ہلکا کر دیا جائے کہ۔ کاش امیر المؤمنین
 ایسا نہ کرتے۔!“

اسی کی مثال ایک روسی عصبیت بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے
 قرابت داروں کو حکومت کے منصب دئے تو اس پر سبائیوں کے اعتراض
 کو بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے قرابت داروں
 حضرت عبداللہ بن عباس و عبید اللہ بن عباس و قثم بن عباس اور محمد بن

ابو ذر غفیر کو ٹھے ٹھے عہد دیا اور سزاؤں کا تو ناقد نے یہ کہ کر اعلیٰ نظر لگا کر دما کر

”اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ اُن کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دُستِ گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا۔ اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ اٹھنی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے۔ جن پر پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورتِ حال حضرت عثمان کے دور سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اُن کو اپنے وقت میں اُمت کے تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔“

ہمارے ناقد کو یہ الفاظ لکھتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا کہ جب حضرت علی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں والا گروہ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ اور ایک گروہ مخالف کیمپ میں تھا۔ ایک گروہ آئے دن اُن سے الگ ہو رہا تھا۔ اس صورت میں اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہ فیصلہ کیا جس پر ہمارا ناقد چراغِ پا ہو رہا ہے تو کیا بیجا کیا؟

پھر یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون کیوں حاصل تھا؟ حضرت علی کو اُن کا تعاون کیوں حاصل نہ ہوا؟ اور بڑے بڑے ذی صلاحیت حضرات دوسرے کیمپ میں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) کیوں رہے؟ اور ایک گروہ آہستہ آہستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں الگ ہوتا رہا؟

تفقہ کرنا منہ کا نوالہ نہیں۔ اس کے لئے بڑی عمیق نظر اور وسیع علم و معرفت

کی ضرورت ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتا تو اس کی سمجھ میں آجاتا کہ ان ہی
 دُجوہ کی بنا پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خُلعیتِ خِلافت کو اپنے کندھوں
 سے اتار کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا کہ جملہ
 عوام و خواص کو سنبھال لینے کی صلاحیت اُن میں سب سے زیادہ تھی اور اُن
 ہی کو بڑی بڑی صلاحیت دالے صحابہ کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ میں ہمارے ناقد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 پر - "يَزِيدٌ" - کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے - "مَلُوكِيَّتٌ" -
 کا الزام قائم کیا ہے۔ سؤال یہ ہے کہ اگر بیٹے کو باپ کے بعد خلیفہ بنانا
 بہر حال میں سنتِ قیصر و کسریٰ ہے تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
 اُن کی وفات کے قریب دریافت کیا گیا کہ -

"آپ کے بعد ہم امام حسن کو خلیفہ بنالیں؟"

تو انھوں نے لوگوں کو اس سے کیوں نہیں روکا؟ بلکہ یہ فرمایا:-

نَعَمْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ | اِنْ اَرَادْتُمْ اِسْرَافِيَّةً
 سَا ضَيِّتُمْ | | بنا سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ بیٹے کا باپ کے بعد خلیفہ ہونا بہر حال میں ناجائز اور سنتِ
 قیصر و کسریٰ نہیں۔ بلکہ اگر قوم (یعنی اہلِ حَل و عَقْد) کی رضا مندی سے
 ایسا کیا جائے تو شرعاً کچھ حرج نہیں۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ یزید کی
 دلی عہدی کا خیال حضرت معاویہ کو از خود نہیں ہوا بلکہ دوسروں نے اسکی
 تحریک کی اور حضرت معاویہ نے فوراً ہی اس پر عمل نہیں کیا بلکہ لوگوں سے

برابر مشورہ کرتے رہے۔ مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے۔ اور اسی مشورہ کی خاطر سفرِ حجاز و حرمین بھی اختیار کیا اور بہت سوچ سمجھ کر اس معاملہ میں اقدام کیا۔ اگر اہلِ حل و عقد کی رضامندی کافی تھی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے معلوم ہوا تو اہلِ شام کی رضامندی یزید کی بیعتِ خلافت کے لئے کیوں کافی نہ تھی؟ شام ہی اُس وقت پایۂ تختِ خلافت تھا۔ اور اہلِ حل و عقد یہیں موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کی رضامندی کے بعد دوسرے علاقوں کی رضامندی معلوم کرنا محض احتیاط کے درجہ میں تھا۔ ضرورت کے درجہ میں نہ تھا۔ اگر امامِ حسن رضی اللہ عنہ صرف اہلِ کوفہ کی رضامندی سے خلیفہ برحق بن سکتے ہیں تو اہلِ شام کی رضامندی سے یزید کی ولی عہدی کیوں برحق نہیں ہو سکتی؟

یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ پھر امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جن سے یزید کا ناسق ہونا لازم آتا تھا۔ اور ناسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحقِ عزل ہو جاتا ہے۔ بس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا۔

اس پر ناقد کا (مزید) یہ کہنا کہ :-

"اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے

بیعت لے کر انھوں نے (حضرت معاویہ نے) اس اِسکان کا

یعنی خلافتِ علیٰ (منہاج البیوت کا) بھی خاتمہ کر دیا۔" الخ

رطب و یابس روایات پر اعتماد اور حقائق سے چشم پوشی کی دلیل ہے۔ کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ اہل شام کو یزید کی دلی عہدی پر راضی کرنے کیسے کسی خوف یا طمع سے کام لیا گیا؟ یا وہ از خود ہی راضی تھے؟ اور کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اہل حَلّ و عقد کی رضامندی کے بعد مملکت کے تمام صوبوں کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر یہ دعویٰ کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ثابت نہ ہو سکے گی! کیونکہ اہل شام کی رضامندی ان کو حاصل نہ تھی۔

پس اہل شام کے اہل حَلّ و عقد کی رضامندی کے بعد مختلف علاقوں اور صوبوں سے دُفود طلب کرنا اور اہل بجاز و حَرَمین سے استصواب رائے کے لئے خود سفر کرنا حضرت امیر معادیہ رضی اللہ عنہ کی غایت احتیاط کی دلیل ہے۔ اور جو روایتیں خوف یا طمع دلانے کی بیان کی جاتی ہیں، وہ چونکہ صحابہ کی شان کے خلاف ہیں، ان کو رد کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص بلا ضرورت محض احتیاط کی بنا پر سب مسلمانوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے صعوبت سفر برداشت کر رہا ہو وہ ایسے کام نہیں کر سکتا، جو لغوی اور احتیاط کے خلاف ہیں۔

خُلاصہ و تَنْبِیْہ

غالباً اس تفصیل سے ہمارے ناقد کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو بغیر صحابی کو صحابی پر

تنقید کرنے کا حق نہیں،

خطائے بزرگاں گر فتنِ خطاست!

پھر تنقید میں تصویر کے دونوں رخ کا دیکھنا ضروری ہے۔ ایک ہی رخ کا دیکھنا کافی نہیں۔ حضرت معاویہ کے کمالِ تدبیر اور دیانت و امانت کے لئے یہی بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنی آٹھ دس سالہ امارت کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے امامِ عادل - اَشَدُّ حُمْرًا فِيْ اَمْوَالِهِ - مُتَّبِعِ سُنَّتِ خَلِيفَةَ مَا شَاءَ كُوْكَسِيْ كَرَفَتِ كَا مَوْقِعٍ نِهَيْسَ دِيَا - جب حضرت عمر نے شام کا دورہ کیا تو آپ کو شکایت پہنچی کہ حضرت معاویہ بڑے کرتوتوں سے رہتے ہیں اور حاجتمندوں کی حاجت روائی میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے ان سے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ:-

”آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بے شمار ہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضی یہ ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ظاہری شان و شوکت سے رہیں۔ اور ہر شخص کو جلد باریاب کر کے بحری اور گستاخ نہ ہونے دیں اب اگر آپ حکم دیں گے تو میں اس طرز کو قائم رکھوں گا۔ ورنہ چھوڑ دوں گا۔“

حضرت عمر نے فرمایا :-

”اے معاویہ! میں تم سے جو بات پوچھتا ہوں، اس میں تم اٹا بھی کو الجھا دیتے ہو، اگر تم سچ کہہ رہے ہو، تو یہ ایک عقلمندی کی رائے ہے۔ جو تم کو بتلائی گئی ہے۔ اور اگر یہ بات غلط ہے، تو

پھر یہ ایک چال ہے۔“

حضرت معاویہ نے عرض کیا:-

”تو پھر آپ ہی کوئی قطعی حکم ارشاد فرمائیں؟“

حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

”میں اس بارے میں نہ تم کو کوئی حکم دیتا ہوں، نہ رد کرتا ہوں۔!“

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت وہاں موجود

تھے، فرمایا کہ:-

”جس بات میں خلیفہ نے آپ کو پھنسانا چاہا تھا۔ اُس سے آپ

بڑی خوبی کے ساتھ نکل گئے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:-

”ان کی ان صلاحیتوں کی وجہ ہی سے تو ہم نے ان کو اتنی بڑی

ذمہ داری سپرد کر رکھی ہے“ (ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۲۵)

حضرت عمرؓ کی یہ رائے عالی حضرت معاویہؓ کے کمال صلاحیت و

قابلیت کے لئے بڑی سند ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے

اُن کی بُرائی کی تو فرمایا:-

”جانے بھی دو! وہ قریش کے جوانمرد اور سہراہ قریش کے بیٹے ہیں۔

وہ فہم میں بھی ہنس دیتے ہیں۔ اور جو کچھ اُن کے پاس ہے۔ وہ

اُن سے نہیں لیا جاسکتا۔!“ (ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۲۲)

ان ہی صلاحیتوں کی وجہ سے امام مظلوم حضرت عثمان۔ شہید رضی اللہ عنہ

نے اپنی خلافت میں اُن کو شام کی گورنری پر بدستور قائم رکھا، جو ہمارے
ناقد کی نظروں میں بہت کھٹک رہا ہے۔

خَاتِمًا؛

اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور ناقد کو نصیحت کرتا ہوں، کہ
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا چھوڑ دیں۔ سب کا آدب
لمحوظ رکھیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد
پر عمل کریں کہ:-

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات
کے خون سے ہماری تلواروں
کو پاک رکھا ہے تو ہمیں اپنی
زہ بانوں کو بھی اس سے پاک
رکھنا چاہیے۔ !

يَلِكُ ۚ مَا آءُ
طَهَّرْنَا
عَنْهَا سِيُوقَدُ
فَلَسَطَرِ عَنْهَا
الْيَنَنَّا - !

وہ (جماعت صحابہ) ایک اُمّت تھی جو
گزر چکی۔ اُنکے لئے ہے جو (نیکوں کا
ذخیرہ) کمایا انھوں نے، اور تمہارے
لئے ہے جو کمایا تم نے۔ اور تم سے
کچھ (بھی) پوچھا نہیں جائیگا، اُن

يَلِكُ اُمَّتٌ قَدْ
خَلَّتْ لَهَا مَا
كَسَبَتْ، وَ لَكُمْ
مَا كَسَبْتُمْ، وَ لَا
تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا

يَعْمَلُونَ .

(پارا ۱۵)

مَا بَيْنَا وَبَيْنَ الْغَيْبِ لَنَا
 وَكَأَنَّ خَوَافِنَا الَّذِينَ
 سَبَقُونَا بِمَا كَانُوا يَنْبَغُونَ
 وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
 غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
 رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ
 رَحِيمٌ !

(سورة المشورہ، پارا ۱۵)

کاموں کے بارہ میں جو کئے انہوں
 نے ۔

اے ہمارے پالنہار! پرے ڈالنے سے
 گناہوں پر اور معاف کر دیجئے ہمیں اور
 ہمارے اُن (اسلام کے) بھائیوں (صحابہ
 و تابعین) کو جو ہم سے باڑی لے گئے
 پہلے ایمان لانے میں اور نہ ہونے دیجئے
 ہمارے دلوں میں کوئی بیزدشمنی اُن
 ایمان والوں کیلئے ۔ اے ہمارے پالنہار!
 بلاشک آپ ہی میں نرمی اور مہربانی
 کرنے والے مہربان !

اگر ناقد نے اس موضوع پر قلم نہ اٹھایا ہوتا تو میں اس پر ہرگز کچھ نہ لکھتا
 مگر مجبوراً مجھے قلم اٹھانا پڑا تاکہ عوام میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اور وہ حضرت
 عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہم کا بھی
 ویسا ہی احترام ملحوظ رکھیں جیسا حضرت علی کہتم اللہ جہد کا احترام کرتے
 ہیں کہ ہمارے سب ہی بزرگ ہیں اور بارگاہ رسالت کے سب ہی محبوب
 ہیں ۔ وَالسَّلَام !

طهراً حمد عثمانی
 عفاً اللہ عنہما

۱۵ رجب الثانی ۱۳۸۵ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد الحمد والصلوة ! سوال ۱۳۸۶ء میں مجھے دُعا کا سفر پیش آیا تو وہاں سیرت امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولفہ سید نور الحسن بنجاریؒ کی نظر سے گذر کی جس میں مولف نے ہر روایت کا پورا حوالہ دیا ہے، تو میں نے اس میں سے چند مضامین قلم بند کر لئے جو برکت عثمانؓ کے مناسب تھے چنانچہ طبع مرتبہ برات عثمانؓ ان کو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے

را، جو لوگ ترمذی کی حدیث

خلافت میرے بعد نہیں

الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ

سال رہے گی۔

سُنَّتًا

سے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو ملوکیت قرار دیتے ہیں وہ ذرا اس حدیث

پر بھی غور فرمائیں جس کو امام ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ :

ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اور آپ اور حضرت ابو بکرؓ تو لے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا، پھر ابو بکرؓ و عمرؓ تو لے گئے تو ابو بکرؓ کا وزن زیادہ رہا، پھر عمرؓ و عثمانؓ تو لے گئے تو عمرؓ کا وزن زیادہ رہا، پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اس خواب کو سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور فرمایا :

خِلاَفَةُ نَبْوَةٍ تَمُّ يُونِي یہ خلافت نبوت ہے، اس
 اللَّهُ الْمَلِكُ مِنْ يَشَاءُ کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہیگا
 (مشکوٰۃ بابنا بکر و عمر) بادشاہت عطا فرمائے گا۔

اس حدیث کے متعلق چند معروضات ہیں :

(ا) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے بعد خلافت عثمان کی کا درجہ ہے جس سے ان لوگوں کا خیال رد ہو گیا، کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا اچھا ہوتا۔

(ب) حضرت عثمان کے بعد طو کیت ہوگی۔ مہر چند کہ خلافت راشدہ کا اختتام سیدنا حضرت علیؓ کو مالا لاق ہے اور بالاتفاق آپ کی خلافت

بھی خلافت راشدہ ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان کی خلافت تک خلافت راشدہ کا ایک خاص اعلیٰ درجہ تھا جسے لسان نبوت نے خلافت نبوت فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں اس کا نام خلافت راشدہ خاصہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی۔

رج، اگرچہ یہ ایک صحابی کا خواب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں فرمایا بلکہ اس کو صحیح مان کر اس کی تعبیر بھی ارشاد فرمائی اس لئے اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔

(ح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کو سن کر رنجیدہ کیوں ہوئے؟ اس کا سبب اللہ اعلم یہ ہے کہ حضور کو یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ خلافت راشدہ خاصہ کی مدت تین خلفاء پر ختم ہو جائے گی۔ اس لئے خلافت کی وہ شان رہے گی جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں ہوگی، چنانچہ اس کے بعد مسلمان کافروں سے لڑنے کے بجائے آپس میں لڑنے لگے۔ تاہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ حضرت معاویہ کے ہاتھ میں دے دی تو پھر تیرہ و بچہ میں اسلامی تہذیب لہراتا ہوا نظر آنے لگا اور فتوحات اسلامیہ کا دروازہ کھل گیا۔

(د) امام ابو داؤد نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کی رات ایک نیک آدمی کو خواب دکھلایا گیا

کہ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکانے گئے ہیں اور عمرؓ
 ابو بکرؓ کے دامن سے لٹکانے گئے ہیں اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے لٹکانے
 گئے ہیں۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اصحابِ رسول
 نے آمین میں کہا کہ وہ نیک آدمی (جس کو خواب دکھلایا گیا) خود رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک کا دوسرے کے دامن سے لٹکانا :

فَهِمْ وَوَلَاةَ الْأَمْرِ الَّذِي بَعَثَ

اللَّهُ بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ العجایب باب مناقب النبیؐ)

اپنے نبیؐ کو مبعوث فرمایا ہے

غرض ان حضرات کی خلافت کے تذکرے خود عہد رسالت میں اصحاب
 رسول کی مجالس میں رہتے تھے اور وحی الہی خاموش تھی۔ اگر صحابہ کرام کا یہ تاثر
 غلط ہوتا تو وحی الہی یقیناً اس کی اصلاح کر دیتی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت
 عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی کی خلافت کا درجہ ہے، پھر اجماع صحابہؓ نے اس
 حقیقت کو اچھی طرح واضح کر دیا۔ جب اصحابِ شوری نے حضرت عبدالرحمن
 بن عوف کے سپرد یہ خدمت کی کہ وہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما
 میں سے کسی ایک کو خلافت کے لئے نامزد کر دیں، تو انہوں نے اپنا فرض نہایت
 جان نشانی، شبانہ روز محنت اور امانت اور دیانت کے ساتھ ادا کیا
 یہاں تک کہ تین راتوں تک ان کو آرام کا موقع نہ ملا۔ آخری رات میں

قر وہ اراکین مجلس مشاورت اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم سے آذانِ فجر تک مصروف گفتگو رہے۔ انہوں نے صرف مجلس مشاورت کے معزز اراکین ہی سے مشورہ نہیں کیا، بلکہ مہاجرین و انصار اور عامۃ المسلمین سے بھی تبادلہ خیالات کرتے رہے، تیسرے دن لوگوں نے نماز صبح ادا کی، اور اہل مجلس شورائے امیر نبویؐ کے قریب جمع ہو گئے، حضرت عبدالرحمنؓ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار کو بلا بھیجا اور سردارانِ لشکر کو بھی جنہوں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس سال حج کیا تھا، جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمنؓ نے خطبہ پڑھا، پھر کہا:

أَمَّا بَعْدُ يَا عِبْرَةَ ابْنِي قَدْ
نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ
أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ يَعْتَمَانُ ،
(أَحَدًا)

اے علیؓ! ہم نے لوگوں کے اس
مسلحہ میں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے
کافی غور کیا تو جہاں تک میں دیکھا،
وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں

سمجھتے۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب اراکین مجلس شوریٰ اور حضرات مہاجرین و انصار، سردارانِ فوج اور عامۃ المسلمین کی موجودگی میں ہوا اور آپ کی خلافت پر اجماعِ امت ہو گیا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اس باب کا نام ہی قِصَّةُ الْبَيْعَةِ وَالْإِبْتِاقِ عَلَى عَثْمَانَ رکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا

کہ ان سب کے نزدیک حضرت عثمانؓ اس وقت سب سے افضل تھے۔ گویا
حضرات شیخین کے بعد فضیلت عثمان پر امت کا اجماع ہو گیا ہے۔
(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ میں بلکہ پورے عرب میں سب سے
زیادہ مالدار تھے مگر اس مال سے انہوں نے غریبوں اور فقراء کی کس قدر خدمت
اور امداد کی؟ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ایک بار حضرت عثمانؓ نے
اس حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا

إِنِّي قَدْ قَرَيْتُ قَرَاتِي
أَكْثَرَ لِعَرَبٍ بَعِيدًا
رَمَاهُ فَضَالِي الْيَوْمِ
شَاهٌ وَلَا بَعِيدٍ غَيْرِ
بَعِيدِينَ لِحَاجَتِي -

میں جس وقت خلیفہ بنایا گیا
اس وقت عرب بھر میں سب
سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں
کا مالک تھا اور آج میرے
پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری،
سو اردو اونٹوں کے جوچ کے
لئے رکھ چھوڑے ہیں۔

طبری ص ۳۸۲ ج ۳

حیات رسولؐ میں پیر رومہ کہ یہودی سے پچیس ہزار میں خرید کر وقف
کر دیا تاکہ مسلمان میٹھے پانی کو نہ ترسیں اور غزوة تبوک میں نو سو پچاس
اونٹوں سے مجاہدین کی مدد کی اور پچاس گھوڑے دے کر ہزار کا عدد
پورا کر دیا۔ دوسری روایت میں ایک مزار اونٹ اور ستر گھوڑے دینا

مذکور ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں روپیہ نقد بھی دیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت دعائیں دیں اور جنت کی بشارت بھی (الإستیعاب ذکر عثمان)

مسجد نبوی بہت تنگ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو فلاں فلاں آدمیوں کا قطعہ زمین (جو مسجد سے متصل تھا) خرید کر مسجد میں شامل کر دے، اسے جنت میں اس سے بہتر ملے گا حضرت عثمان نے بیس پچیس ہزار روپے میں خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔

(ترمذی نسائی جوالہ شلوۃ باب مناقب عثمان)

ایک بار خلافت صدیقی میں سخت قحط پڑا۔ مدینہ والے بہت پریشان تھے۔ ایک دن حضرت صدیق نے فرمایا کہ آج شام تک مٹھاری پریشانی دور ہو جائے۔ اسی دن حضرت عثمان کے ایک ~~بھائی~~ ہزار اونٹ غلہ سے لے ہوئے شام سے آئے۔ مدینہ کے تاجر خریداری کے لئے پہنچے حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم مجھے کتنا نفع دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا دس کے پندرہ دے سکتے ہیں۔ فرمایا مجھے ایک روپیہ پر دس سے سات سو تک مل رہا ہے۔ تم پیچھے پیٹ جاؤ۔ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ سب غلہ اللہ کی راہ میں فقرا و مدینہ کو دے رہا ہوں (سیرت خلفاء راشدین) ایک بار جہاد میں ناداری کی وجہ سے مسلمان پریشان تھے، حضرت

عثمانؓ نے چودہ اونٹوں پر سامانِ خور و نوش بار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا کہ مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ جب عام لوگوں پر اس طرح سخاوت کے دریا بہا رہے تھے تو اعزہ اقارب کس طرح محروم رہ سکتے تھے! چنانچہ اعزہ اور اقارب کی بھی دل کھول کر مدد فرمائی۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: میں جس کو جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں، نہ اور کسی کے لئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح گراں قدر عطیات دیا کرتا تھا۔ طبری ص ۳۸۵ حضرت مرثد بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے، جبکہ آپ آئندہ آنے والے فتنوں کا ذکر اس طرح فرما رہے تھے گویا وہ بہت ہی قریب آنے والے ہیں اسی درمیان میں ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے ہوئے گذرا آپ نے فرمایا: ان ایام میں یہ ہدایت پر ہو گا۔ میں اس کی طرف گیا تو دیکھا تو عثمانؓ غنی ہیں۔ میں نے ان کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر کہا کہ وہ یہی ہے جو ایامِ قسۃ میں حق پر ہوں گے؟ حضور نے فرمایا ہاں وہ یہی ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت عثمانؓ پر طعن کرنے والے باطل پر

شانِ معاویہ

صحنہ اقدار ۶۸

اس باب میں مفصل گفتگو کرنے سے پہلے میں مہنتہ دار اخبار ایشیا کی خاص اشاعت سے جو ۲۶ جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳ شوال ۱۳۸۶ھ میں رویت ہلال کے متعلق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ فاضل مدیر کے ادارے جس کا عنوان "تحقیق کا تیر" ہے۔ ایک مختصر اقتباس درج ذیل کرنا چاہتا ہوں۔ فاضل مدیر نے ایک محقق ڈاکٹر کا رو کرتے ہوئے لکھا ہے :

"مسجد ضرار" اہدام دین کی سازش تھی۔ تعبیر کا کوئی علمی اختلاف تھا کیا قرآن کے اس بیان کی روشنی میں (جو مسجد ضرار کے متعلق سورہ براءت میں موجود ہے) بتایا جاسکتا ہے کہ مسجد ضرار کی مثال کو رویت ہلال کیسی کے اعلان سے اختلاف پر چسپاں کیے کر دیا گیا۔ کیا جناب محقق کے نزدیک تعبیر کا ہر اختلاف مسجد ضرار کے حکم میں آتا ہے؟ دوسراں حالیکہ خیر القرون میں نبی جلیل القدر صحابہ کے درمیان اختلاف تعبیر کی بنا پر تلواریں میانوں سے (نیاموں سے) نکل آئی تھیں کیا وہ سب ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق شعوری یا غیر شعوری طور پر

اور حضرت عثمان حق پر تھے۔ اب کسی طمہ یا سید قطب وغیرہ کی ہرزہ سرائی
محض لغو ہے اور ان کا اتباع کرنے والے سراسر بے انصاف ہیں۔

شانِ معاویہ

صفحہ ۱۴۸

اس باب میں مفصل گفتگو کرنے سے پہلے میں مہفتہ دار اخبار ایشیا
کی خاص اشاعت سے جو ۲۶ جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۱۴ شوال ۱۳۸۶ء
میں رویت ہلال کے متعلق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ فاضل مدیر کے ادارے
جس کا عنوان "تحقیق کا تیر" ہے۔ ایک مختصر اقتباس درج ذیل کرنا چاہتا
ہوں۔ فاضل مدیر نے ایک محقق ڈاکٹر کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے :
"مسجد ضرار" امہد ام دین کی سازش تھی۔ تعبیر کا کوئی علمی اختلاف تھا
کیا قرآن کے اس بیان کی روشنی میں (جو مسجد ضرار کے متعلق سورہ براءت
میں موجود ہے) بتایا جاسکتا ہے کہ مسجد ضرار کی مثال کو رویت ہلال کیسی کے اعلان
سے اختلاف پر چسپاں کیے کر دیا گیا۔ کیا جناب محقق کے نزدیک تعبیر کا ہر اختلاف
مسجد ضرار کے حکم میں آتا ہے؟ ورنہ اسے حالیکہ خیر القرون میں بھی جلیل القدر صحابہ
کے درمیان اختلاف تعبیر کی بنا پر تلواریں میانوں سے (نیاموں سے) نکل آئی تھیں
کیا وہ سب ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق شعوری یا غیر شعوری طور پر

مسجدِ فضا کی تبسیر میں کوشاں تھیں ؟

غور کیجئے، قرونِ اولیٰ کے وہ باہم متعارض گروہ آج ہماری نگاہوں میں کیوں مقدس و محترم اور بزرگ و ذیشان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا اختلاف انتشار کے لئے نہ تھا اتباعِ دین کے لئے تھا۔ اس میں کوئی ذاتی غرض نہ تھی، دین کی غرض تھی۔ وہ اختلاف کرتے تھے کہ ان میں مسابقت تھی کہ کون دین کے منشا کو زیادہ سے زیادہ صحیح طور پر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے اہلِ اخلاص میں کوئی تلخی بھی آجاتے تو وہ باعثِ زجر نہیں، باعثِ اجر ہے۔“ ص ۲۔

فاضل مدبریہ کا صحابہ کے دو متعارض گروہوں کے متعلق یہ عقیدہ ہمارے عقیدہ کے بالکل موافق ہے۔ کاش! مولانا مودودی اور ماہر القادری صاحب بھی اس عقیدہ پر مستقیم رہتے تو نہ مجھے ”برأت عثمان“ لکھنے کی ضرورت پیش آتی نہ میرے فرزند مولوی قمر احمد عثمانی کو تذکرہ ”باراں“ لکھنے کی نوبت آتی۔ حضرت مسعودیہ رضی اللہ عنہما پر تنقید و اعتراض کے تیر برس آنے والوں کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد قائم کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ان کی فطرت عالمگیر تھی۔ ان کی بہت عالی کا تقاضا یہ تھا کہ ایشیا سے نکل کر یورپ اور افریقہ تک اشاعتِ اسلام کی راہیں ہموار کی جائیں۔ آپ کی دوراندیشی اور فراست کا فیصلہ یہ تھا کہ اگر اسلام کو غالب کرنا اور روم کی شوکت و سطوت پارینہ کو پاؤں تلے کھینسا ہے تو اس کے لئے اسلامی بحری بیڑا کو وجود میں لانا

از بس ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عہدِ فاروقی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بحری بیڑے کی تیاری کی اجازت طلب کی، مگر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر اس کی اجازت نہ دی، امام طبری نے بے شک بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کی پُراصر اور خواست کی اور اس کی ترغیب دی اور کہا: "امیر المؤمنین مملکتِ روم کی سرحدِ حمص سے جو اسلامی مملکت ہے اس قدر قریب ہے کہ حمص کی ایک بستی کے لوگ روم کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آذان کی آواز سنتے ہیں، روم کا ساحل حمص کے ساحل سے ملا ہوا ہے، ان حالات میں مملکتِ اسلام کا امن و سکون ہمیشہ خطرہ میں رہے گا، اسلئے اسلامی مفاد اور تحفظِ مملکت کے پیش نظر رومی مقبوضات پر بحری حملہ ناگزیر ہے، اس کی اجازت دی جائے" حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص سے جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا، بھندری سفر کے حالات اور اسکی کیفیت اور منافع و مفاد معلوم کرنا چاہے، انہوں نے لکھا، میری رائے میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ایک نہتی سی مخلوق (کشتی) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ اوپر آسمان اور نیچے پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لوگ اس میں اس طرح سوار ہوتے ہیں جیسے ایک کیرا لکڑی پر سوار ہوتا ہے، اگر لکڑی ذرا بھی پیٹ جائے تو کیرا ڈوب جائے اور اگر خیر و سلامتی سے کنارے لگ جائے تو کیرا حیران ہو کر رہ جائے" یہ جواب حضرت عمرؓ نے پڑھ کر حضرت معاویہؓ کو لکھا:

لَا وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا
بِالْحَقِّ إِلَّا أَخِيكَ عَلَيْهِ
مُنْظَرًا أَبَدًا -

نہیں! اس خدا کی قسم جس نے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق
کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے،
میں کسی مسلمان کو سمندر میں
کبھی سوار نہ کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے :

كَلَيْتَ أَخِيكَ الْجَنُودُ
فِي هَذَا الْمُسْتَضْعَبِ وَ
مَا اللَّهُ لِمُسْلِمٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ
مِمَّا حَوَتْهُ الرُّومُ
فَإِيَّاكَ أَنْ تَعْرِضَ لِي
وَقَدْ تَقَدَّمْتُ إِلَيْكَ
وَكَانَ تَقَدَّمَ إِلَيْهِ
مِثْلُ ذَلِكَ -

میں ایسے خطرناک سمندر
پر شکر اسلامی کر کیسے
سوار کر سکتا ہوں ،
واللہ! مجھے ایک مسلمان
کی جان بھی رومیوں کی
ساری دولت سے زیادہ محبوب
آئندہ مجھ سے اس قسم کی درخواست
نہ کرنا ہیں پہلے بھی تم کو لکھ چکا ہوں

۱۔ اس جگہ فاضل مؤتلف نے مِمَّا حَوَتْهُ الرُّومُ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ حَوَتْهُ کہ حَوَتْ
پڑھ لیا اور ترجمہ روم کی مچھلی کر دیا۔ ایسی غلطیاں ترجمہ میں اور بھی کئی جگہ ہیں۔ ۱۱ ط

اس جواب سے خلیفہ اسلام کی اپنی رعیت سے جس محبت کا اظہار ہو رہا ہے، محتاج تشریح نہیں۔ اسی لئے وہ رہایا کے محبوب تھے۔ دوسری طرف حضرت معاویہؓ کا بلند ترین نظریہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ آپ کے نزدیک کفر کی شکست و موت اور اسلام کی بقا و ترقی کے لئے بحری جہاد ناگزیر تھا۔ لہذا بار بار یہ اصرار و تکرار و حضرت عمرؓ سے بحری غزوات کی اجازت طلب کرتے ہیں، اور یہ کہ جب کفار کو بحری سفر سے ڈر نہیں لگتا، اور رومیوں نے بہت بڑا جنگی بیڑا تیار کر لیا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اس سے مرعوب ہو کر ان کے مقابلہ کے لئے بحری بیڑا تیار نہ کریں اور کافروں کو سمندر پار تک اپنی تجارت اور اپنے باطل مذہب کے پھیلانے کی اجازت سے دیں چنانچہ حضرت فاروق اعظم کی وفات کے بعد جب حضرت عثمانؓ مستبد اقتدار خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنا مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا اور جب تک امام عالی مقام سے اپنا مطالبہ منوا نہیں لیا براہ اس کو پیش کرتے رہے حضرت عثمانؓ بحری جہاد کی ضرورت سے بے خبر نہ تھے، مگر مسلمانوں کی جان ان کو بھی ویسی ہی عزیز و محبوب تھی جیسی حضرت عمرؓ کو۔ اس لئے اس شرط کے ساتھ اجازت دی گئی کہ نہ تو لوگوں کو اپنی رائے سے منسوب کیا جائے نہ ان میں قہر و اندازی کی جائے بلکہ انہیں اختیار دیا جائے کہ جو کوئی خوشی سے ثواب کی خاطر بحری جہاد کے لئے تیار ہو اسے لیا جائے اور اس کی ہر طرح امداد و معاونت کی جائے

حضرت معاویہؓ نے ایسا ہی کیا اور عبداللہ بن قیس الحارثی کو امیر البحر بنا دیا انہوں نے سردی اور گرمی میں پچاس بھری لڑائیاں لڑیں جن میں ایک آدمی بھی غرق نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو کوئی مصیبت پیش آئی۔ وہ دعا کرتے رہتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے لشکر کو خیر و عافیت سے رکھے اور ان میں سے کسی کو بھی مصیبت میں مبتلا نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایسا ہی ہوا۔
(ص ۳۱۶ جبری)

اللہ اللہ!! جب فاروق اعظمؓ اور عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت معاویہؓ جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش امیر المؤمنین ہوں اور حضرت عبداللہ بن قیس جیسے مخلص اور نیک، مقبول بارگاہ الہی امیر البحر ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی موسلا دھار بارش کیوں نہ برسے۔ خیر و برکت اور رحمت و نصرت کی حد ہو گئی کہ بحر روم کو شنب روز جو لائنگاہ بارگاہ ہے۔ پچاس لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر نہ تو پوری فوج میں سے ایک آدمی کام آیا، نہ ہی پورے لشکر کا کوئی فرد زخمی ہوا۔ بہر حال حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی سب شریں منظور کر کے عظیم شان بھری بیڑا تیار کیا اور ۲۸۰ میں پہلا اسلامی بحری بیڑا پہلی دفعہ بحر روم میں اترا اور اس طرح افریقہ اور یورپ کی سرزمین پر حضرت معاویہ کی بہت اور بند حوسلگی کے طفیل اسلامی جہنڈا سمندر میں لہرانے لگا اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے امکانات و دروازے علاقوں تک پیدا ہو گئے۔ قبریں ساحل شام کے نزدیک

بحر ابیض میں ایک نہایت سرسبز و ثنا و آب جزیرہ ہے، جس کا رقبہ ۳۰۲۹ مربع میل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے بحری بیڑا لیکر سب سے پہلے ۳۸ھ میں اس جزیرہ پر حملہ کیا۔ اہل قبرس نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی، اور چار سال بعد ۳۲ھ میں قبرسیوں نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو جنگی مدد دی۔ ۳۳ھ میں حضرت معاویہؓ نے پھر پانچ سو جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ حملہ کر کے قبرس کو فتح کر لیا اور بارہ ہزار مسلمانوں کی ایک نوآبادی قائم کر دی۔ انجیلک کے بہت سے مسلمان بھی نقل مکانی کر کے چلے آئے۔ یہاں ایک شہر آباد کیا اور مساجد تعمیر کیں (فتوح البلدان ص ۱۶)

علامہ طبری نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور واقدی متعاری ہیں حجت ہے، کہ حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روم سے بحری جہاد کیا اور اہل قبرس سے خلافت عثمانؓ میں صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے دشمن رومیوں سے شادی بیاہ تک بھی بغیر اجازت نہیں کر سکیں گے۔ ص ۳۱۹ اور حقیقت یہ حضرت معاویہؓ کی کتاب فضائل کا روشن ترین باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام و مسلمین کی خدمت و عظمت اور کفر و کفرین کی شکست و ذلت اور ننگت و رسوائی کے لئے ہی پیدا کیا تھا۔ "روما جیسی پرانی با عظمت و قوت سلطنت کو زیر و زبر کر کے رومی مقبوضات پر اسلامی جھنڈا اہرانا اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے یورپ کا دروازہ

کھول دینا آپ کا وہ شامہ کا رہے جس نے آپ کو بہت عظیم درجہ مقام پر کھڑا
 کر دیا ہے اور لسانِ نبوت سے بشارتِ عظمیٰ کا مستحق بنا دیا۔ (بخاری شریف
 کتاب الجہاد باب قتال الروم) میں ام حرام سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَوَّلُ جَيْشٍ دَانَ أَمْرُقُ
 يَعْرِضُونَ لِبَحْرٍ قَدْ
 أَوْجَبُوا قَاتِلَ أُمَّ حَرَامٍ
 قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَأْتِيهِمْ؟
 قَالَ نَأْتِي فِيهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْلُ الْجَيْشِ
 مِنْ أُمَّتِي يَعْرِضُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ
 مَغْفُورٌ لَهُمْ قُلْتُ أَتَأْتِيهِمْ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ
 لَا“

میری امت کا پہلا لشکر جو بھری
 جہاد کرے گا ان کے لئے جنت واجب
 ہوگئی۔ ام حرام نے عرض کیا،
 یا رسول اللہ، میں ان میں شامل
 ہوں گی؟ فرمایا ہاں تو ان میں
 سے ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا، میری امت کا پہلا لشکر
 جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا،
 مغفور۔ (یعنی بخشا جائیگا) ہے
 ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ
 میں ان میں سے بھی ہوں گی؟
 فرمایا نہیں۔“

علامہ قسطلانی "شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ پہلا لشکر جس نے بھری جہاد

لیا وہ حضرت معاویہؓ کا لشکر ہے اور سب سے پہلے جس نے مدینہ قبصر
 قسطنطنیہ پر جہاد کیا، یزید بن معاویہؓ تھا۔ ان کے ساتھ جلد صحابہؓ کی ایک
 جماعت تھی جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ
 بن زبیر اور حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ حافظ
 ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے، "کہ مہلب
 نے کہا۔ اس حدیث سے حضرت معاویہؓ کی بڑی شان ثابت ہوتی ہے،
 کیونکہ آپ ہی نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے، نیز اس حدیث سے
 آپ کے بیٹے یزید کی بھی بڑی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سب سے
 پہلے مدینہ قبصر پر جہاد اسی نے کیا کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اس لشکر کا قائد
 یزید تھا۔ یہ حدیث جو صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں تین مقامات پر اور
 صحیح مسلم میں کتاب الامارات کے موقع پر اور کتب صحیح او غیر صحیح میں
 موجود ہے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی نبوت پر بڑی دلیل قرار دیتے ہیں کہ جیسے فرمایا تھا ویسے ہی ظہور
 میں آیا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لشکر معاویہؓ ہے
 جبکہ انہوں نے ۲۸ھ میں بعد عثمان قیس پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا اور
 ام حرامؓ اپنے شوہر عبادہ بن الصامح کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھیں
 حضرت ام حرامؓ اسی جہاد میں واپسی کے وقت شہید ہوئیں اور ان کی قبر آج

آج تک قبریں میں موجود ہے۔ دوسرے لشکر کے امیر زید بن معاویہ تھے
یعنی غزوہ قسطنطنیہ میں

قَالَ وَهَذَا مِنْ أَعْظَمِ
دَلَالِيبِ التَّبَوُّةِ -
ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حضور
کی نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے

در اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک پیشگوئی اور پھر ۲۸ھ اور
۵۲ھ میں اس کی پوری تصدیق دلائل نبوت میں سے بہت بڑی دلیل اور
معجزات رسالت میں سے ایک بڑا معجزہ ہے۔ سبحان اللہ! حضرت معاویہؓ
کی بھی کیا شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو بھری غزوات کی پیشگوئی
فرمائی وہ دونوں آپ ہی کے حصے میں آئے۔ ایک ۲۸ھ میں آپ کی قیادت
میں اور دوسرا ۵۲ھ میں آپ کی خلافت میں ہوا۔ حضرت معاویہؓ کی اہل العزمی
اور ان کے نتیجے میں یہ بھری معرکہ آرائیاں کتنی مبارک اور عند اللہ کتنی مقبول ہیں
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں بھی ان کے نظارے فرما رہے ہیں، اور یہ
نظارے بھی کیسے مبارک ہیں جو حضورؐ کی مسرت قلبی اور سرور روحانی کا باعث
ہیں۔ کہ حضور ان کو دیکھ کر تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں۔ اصل حدیث سے
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ اور سیدنا حضرت معاویہؓ کی خلافت برحق
ہے اور ان کے عہد خلافت اور دور ولایت میں جتنے غزوات ہوئے ہیں وہ
اسلامی غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔ کیونکہ ان دو بھری غزوات کو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی سبیل اللہ فرمایا اور دونوں لشکروں کو جنت اور مغفرت کی بشارت سے نوازا ہے۔ دونوں غزوات کے مجاہدین کا نظارہ محبوب خدا کی مسرت و شادمانی کا سبب ہوا ہے۔ جو لوگ حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت کو طو کیت اور شاہی سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ کے غزوات کو جہاد نبی سبیل اللہ کی بجائے ملک گیری کی ہوس کا مظاہرہ قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو معاندانہ طور پر دینا طلب بادشاہ سمجھتے ہیں، ان کا یہ گمان باطل اور سراسر دوسو سہ ہے۔ اگر ان کی نیت میں فتور اور دل میں کھوٹ نہیں ہے تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مبارک الفاظ میں غور کریں، جس کے صحیح ہر طرف سے کسی قسم کا وہم و شبہ نہیں ہو سکتا۔

فتوحات عثمانی

فتوحات کے لحاظ سے عہد عثمانی کے بعد سے آج تک عہد عثمانی کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی حضرت فاروق اعظم نے اپنی حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوتِ عمل سے روم و ایران کے ذمہ داروں کو دے دیے۔ ان کی دولت و سلطنت مسلمانوں کا ورثہ بن گئی۔ دولت کیانی صفحہ ہستی سے مٹ گئی، لیکن کیا یہ ممکن ہے، کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلابِ مفتوح اقوام کے احساسِ خودی کو کھنڈر چپکینز، تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ مگر ان کی

صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی سبیل اللہ فرمایا اور دونوں لشکروں کو جنت اور مغفرت کی بشارت سے نوازا ہے۔ دونوں غزوات کے مجاہدین کا نظارہ محبوب خدا کی مسرت و شادمانی کا سبب ہوا ہے۔ جو لوگ حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت کو ملوکیت اور شاہی سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ کے غزوات کو جہاد نبی سبیل اللہ کی بجائے ملک گیری کی ہوس کا مظاہرہ قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو معاندانہ طور پر دینا طلب باو شاہ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ گمان باطل اور سراسر دوسوہ ہے۔ اگر ان کی نیت میں فتور اور ول میں کھوٹ نہیں ہے تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مبارک الفاظ میں غور کریں، جس کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا وہم و شبہ نہیں ہو سکتا۔

اور غزوہ قسطنطنیہ کی ولی خواہش تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہندوستان کا وعدہ فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اگر میں نے اس غزوہ کا وقت پایا تو میں اپنی جان مال اُس میں خرچ کر دوں گا، اگر مارا گیا تو افضل ترین شہداء میں ہوں گا۔ اور اگر زندہ سلامت فتح کے ساتھ واپس ہو گیا تو دوزخ سے آزاد کیا تھا ابو ہریرہ ہوں گا۔ (مسند احمد ص ۲۹) و نسائی کتاب الجہاد و تدرک حاکم ص ۵۱۲ و ابوداؤد جمع القوائد حضرت ثریبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دو جماعتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔ ایک وہ جماعت ہے جو ہندوستان پر جہاد کرے گی۔ دوسری وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (دجال سے) جہاد کرے گی۔ (نسائی کتاب الجہاد ص ۶۳) اور قسطنطنیہ کے بارے میں بخاری کی حدیث گذر چکی ہے کہ پہلا لشکر جو مدینہ یقیناً قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ صفحہ ۱۲۸ (بخشا بختایا) ہے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے کابل و کرمان فتح کر کے ہندوستان کا راستہ ہموار کر دیا اور اُندلس فتح کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا راستہ کھول دیا۔ چنانچہ افریقیہ کی فتح کے بعد حضرت عثمانؓ نے عثمان بن عبد اللہ بن نافع بن الحصین اور عبد اللہ بن نافع بن عبد قیس کو فوراً اُندلس کی طرف روانہ کیا۔ وہ دونوں سمندر کے راستے اُندلس پہنچے تو ان کو حضرت عثمانؓ نے

پناہ لے کر اس کے ہاتھ سے یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی تو اس کے متصلہ ممالک میں، افغانستان، خراسان فتح ہوئے اور ترکستان کا ایک حصہ بھی زیرِ نگیں ہو گیا۔ دوسری سمت آرمینہ، آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیا کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کیا گیا۔ بحری فتوحات کا آغاز تو حضرت عثمانؓ ہی کے عہدِ خلافت سے ہوا تا پ کی الوالعزمی اور عالی جو صلگی نے خطرات سے بے پروا ہو کر عظیم الشان جنگی بیڑا تیار کر کے پہلے قبرس پر اسلامی جھنڈا بند کیا، پھر ایک دوسری بحری جنگ میں قیصر روم کے جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز تھے ایسی شکست فاش دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی، غزوات و فتوحات کے اعتبار سے عہدِ عثمانی تاریخ اسلام کا مثالی دور ہے۔ فتوحات کا ایک طوفان تھا، جو اطراف و اکنافِ عالم سے مدینہ طیبہ کی طرف اٹھ اچلا آ رہا تھا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ تینوں پہلوؤں میں امام عالی مقام نے اپنی کشور کشائی و جہانگیری کی خدا داد و صلاحیتوں کا پورا مظاہرہ کیا، کسری و قیصر کے اقتدار کا جوازہ نکال دیا۔ ان کی باط سیاست کو الٹ کر اسلام کو مشرق و مغرب میں غالب اور متمکن کر دیا۔ کوہ قاف جبل الطارق تک لاکھوں مربع میل کی وسیع سرزمین پر تبلیغِ دین کا دروازہ کھول دیا، اور سب کچھ اس لئے کیا کہ ان کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ ہند

فتوحات کیوں نقش بر آب ہو گئیں۔ یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب الوالعزم فاتح جانشین ویسا ہی الوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا، تو اس کی فتوحات صرف ایک وقتی فائز بنتی ہیں۔ اس بنا پر جانشین فاروق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالک مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی اور مفتوح اقوام کے جذبہ خود سری کو رفتہ رفتہ اپنی حسن تدبیر اور حسن عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقع میں بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ مہلتی۔ حضرت عثمانؓ کو بڑی کثرت سے بناوتمیں فرو کرنا پڑی۔ مصر میں بنیادیں ہوئی، اہل آرمینہ و آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا۔ اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تمام بناوتمیں دراصل اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں، جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبہ آزادی کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے، لیکن حضرت عثمانؓ نے تمام بناوتمیں کو نہایت ہوشیاری سے فرو کیا۔ آہستہ آہستہ تشدد اور نرمی کی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کو اطاعت و انقیاد پر مجبور کر دیا۔ عہد عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، برقعہ، اور مراکش مفتوح ہوئے۔ ایران کی فتح جو کسری کے زندہ بچ جانے کی وجہ سے ناممکن تھی، پایہ تکمیل کو پہنچی۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو کسری کے گرفتار یا قتل کر دینے پر مامور کیا۔ عبداللہ بن عامر سفاس کا ایسا تعاقب کیا کہ وہ مارا مارا پھرتا ہوا جہاں بھی گیا اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بالآخر ایک چکی پیسنے والے کے گھر میں

ایک خط میں لکھا۔۔۔ "اقبا بعد! بلاشبہ قسطنطنیہ سمندر کے راستے اندلس کی طرف سے فتح ہوگا اگر تم نے اندلس کو فتح کر لیا تو آخرت میں تم بھی فاتحین قسطنطنیہ کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہو گے، والسلام"

چنانچہ اسلامی افواج نے افریقہ کے بربروں کے ساتھ بحر و بر سے اندلس پر حملہ کیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور اندلس افریقہ کی طرح اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔
 فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَلِلّٰهِ الشُّكْرُ وَالشُّكْرُ الْحَسَنُ ۝

کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ وہ سمندر عبور کر کے اندلس جا رہے تھے، فرمایا جو لوگ اندلس فتح کریں گے وہ قیامت کے دن اپنے نور سے پہچانے جائیں گے۔ (طبری و تاریخ ابنے کثیر)

فتوحات عثمانی کا مفصل حال اردو میں "سیرت امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ" سے معلوم کرنا چاہیے جس کا حوالہ اس تمہ کے شروع میں دے چکا ہوں، اب اس دعا پر تمہ کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ پاکستان کو غزوہ ہند کی توفیق دے اور اپنی مدد پاکستان کو دارالاسلام بنا دے، مسلمانانِ پاکستان کو جذبہ جہاد اسلامی عطا فرمائے جس میں رضائے حق اور جذبہ اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا اور کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہو اور اس ناچیز کو بھی اس جہاد میں شامل ہونے کی توفیق اور طاقت و قوت عطا فرمائے۔ آیت سے

وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

وَالسَّلَامُ! نَظْفَرُ أَحْمَدَ عُمَانِي عَفَا اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

مقیم دارالعلوم الاسلامیہ، اشرف آباد ہنڈوالہریار، ضلع حیدرآباد سندھ

۲ محرم ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۷ء